درد کا رشتہ

(ناول)

۵

ھرچرن اور گلشن لال بچپن کے دوست تھے۔ دونوں
کی دوستی ضرب المثل تھی۔ بس دو قالب اور ایک جان تھے دونوں
ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ اور دونوں کے گھر بھی ایک دوسرے
کے قریب تھے۔ دلی کی پرانی، اندھیری اور تاریک گلیوں میں
کھیل کود کر انہوں نے ایک دوسرے کو چاہا تھا۔ گلشن اپنے
گھر سے نکل کر، ہرچرن کے گھر کے قریب آتا۔ کھڑکی کے سامنے
کھڑے ہو کر ہرچرن داس کو آواز دیتا۔ اگر جواب نہ ملتا،
تو وہ سیدھا اندر جاتا اور جب تک ہرچرن تیار نہ ہوتا تو
وہ اس کا انتظار کرتا رہتا۔ پھر ہنستے کھیلتے اچھلتے کودتے اسکول

کی طرف بڑھ جاتے۔

کلاس میں ایک ہی بینچ پر بیٹھتے۔ دونوں ذہین نہ تھے۔ بس ہر سال پاس ہو جاتے۔ جب اسکول سے چھٹی ملتی تو اکٹھے گھر لوٹتے۔

شام کو گلی میں محلّے کے لڑکوں کے ساتھ گلّی ڈنڈا کھیلتے۔ جب یہاں سے جی اکتا جاتا تو لال قلعے کی طرف بڑھ جاتے۔ جہاں ایک شاندار میدان تھا۔ وہیں سورج غروب ہونے تک کھیلتے رہتے۔

گلشن کو اچھی طرح یاد ہے کہ وہ ایک بار ساتویں جماعت میں فیل ہو گیا تھا۔ اسے فیل ہونے کا اتنا رنج نہ تھا۔ جتنا کہ اس بات کا تھا کہ اب وہ ہر روز ہر حرپن کے ساتھ اسکول نہ جا سکے گا۔ اور وہ ایک ہی روم میں ایک ہی بینچ پر اکٹھے نہ بیٹھ سکیں گے۔ دونوں اکٹھے گھر واپس نہ جا سکیں گے۔ اب تو ہر حرپن دوسروں کے اور دوست بن جائیں گے۔ اور وہ خود اکیلا اور تنہا رہ جائے گا۔

اس لئے جب وہ نتیجہ سن کر گھر کی طرف لوٹا وہ بے حد اُداس اور رنجیدہ تھا۔ ہر حرپن کے گھر کے قریب پہنچتے ہی رک گیا۔ اپنے آپ، جیسے اس کے پاؤں کو بریک لگ گئی ہو۔ اور

گلشن کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کھڑکی میں ہرچرن بیٹھا ہوا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک دونوں دوستوں کی نگاہیں ایک دوسرے سے ملیں۔ اور دونوں کی کیفیت ایک دوسرے پر اُجاگر ہو گئی۔ جدائی کا غم ایک دوسرے کو کھائے جا رہا تھا۔

ہرچرن نے سوچا۔ اب گلشن اسکول جاتے ہوئے اسے بلانے نہیں آئے گا۔ وہ اکٹھے گلی ڈنڈا نہ کھیل سکیں گے۔ دریا پر اکٹھے نہانے نہ جا سکیں گے۔

پتنگ نہ اڑا سکیں گے ——— کاش وہ بھی فیل ہو جاتا۔ اور گلشن کے دماغ میں بالکل اسی قسم کے خیال چکر لگا رہے تھے .... اب ہرچرن اسکا انتظار نہیں کرے گا۔ وہ کسی اور دوست کے ساتھ اسکول جائے گا۔ وہ اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ الفاظ گلے میں اٹک گئے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بڑی ہمّت کر کے اس نے یہ فقرہ کہا۔

"ہرچرن تم تو پاس ہو گئے۔ اور .... میں .... فیل ......"

"تو کیا ہوا گلشن ؟" ہرچرن نے روتی آواز میں کہا۔
"اب تم میرا انتظار نہیں کرو گے ؟"
"انتظار کیوں نہیں کروں گا۔ ؟ ہمارا تمہارا اسکول تو ایک ہے۔"

"تمہارے اور دوست بن جائیں گے۔ وہ تمہیں بلانے آئیں گے۔ وہی تمہارے ساتھ کھیلیں گے۔ اور اب تم میرے ساتھ اسکول نہیں جاؤ گے۔"

"میں تمہارے ساتھ اسکول کیوں نہیں جاؤں گا گلشن ! تم میرے جگری دوست ہو۔ کیا ہوا کہ میں اس بار پاس ہو گیا۔ ہو سکتا ہے اگلی جماعت میں فیل ہو جاؤں۔ اور ہم پھر اکٹھے ایک ہی جماعت میں پڑھیں گے۔ اگر تم فیل ہو گئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میرے دوست نہیں رہے۔"

یہ کہہ کر ہرچرن خاموش سا ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دل کا بوجھ اتر گیا۔

در اصل گلشن چاہتا تھا کہ ہرچرن کچھ اور کہے دو سر جھکائے ہوئے ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھتے رہے۔

پھر گلشن سر جھکائے ہوئے اپنے گھر کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ اس وقت ہر چرن کو یوں محسوس ہوا، اگر گلشن چلا گیا تو اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

"گلشن! گلشن!!" وہ بے اختیار ہو کر چلّایا۔

گلشن نے مڑ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ہر چرن کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"گلشن! کل میں تیرا انتظار کروں گا۔ ضرور آنا۔ بھولنا نہیں!!

جو کچھ ہر چرن نے کہا تھا۔ یہی کچھ تو وہ سننا چاہتا تھا۔ اپنے دوست کی رفاقت اور چاہت .... یہ سن کر اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے جنّت مل گئی۔ اب اسے اور کچھ نہیں چاہیئے —— ہاں ہر چرن میرا دوست ہے —— کسی اور کا نہیں۔ میں فیل ہو گیا ہوں اور وہ پاس ہو گیا ہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ میرا ہی دوست رہے گا۔ کسی اور کا نہیں۔ گلشن نے اپنے آنسو پونچھے اور مسکراتا ہوا گھر کی طرف بڑھا۔

گو گلشن اب ہرچرن سے ایک جماعت پیچھے تھا۔ مگر دونوں کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اسکول جاتے ہوئے وہ ہرچرن کے گھر کی کھڑکی کے قریب جاکر ہرچرن کو آواز دیتا۔ ہرچرن اسی طرح بستہ سنبھال کر گھر سے باہر نکلتا اور دونوں دوست اکٹھے چلتے پھرتے، ہنستے کھیلتے اسکول کی طرف بڑھ جاتے۔
نویں جماعت میں ہرچرن فیل ہوگیا اور دونوں دوست پھر نویں جماعت میں اکٹھے پڑھنے لگے۔ ہرچرن جان بوجھ کر فیل نہ ہوا تھا۔ شاید قسمت کو یہی منظور تھا کہ دونوں ایک ہی جماعت میں رہیں۔ ایک ہی کلاس روم میں ساتھ ساتھ ہی بیٹھیں اور زندگی کی گاڑی ایک ہی راہ پر گامزن رہے۔
دو سال گزر نے کے بعد گلشن اور ہرچرن نے میٹرک کرلی۔ دونوں کے والدین اتنے امیر نہ تھے کہ وہ لڑکوں کو کالج میں داخل کراسکتے۔ ان دنوں سرکاری نوکری ذرا آسانی سے مل جاتی تھی ——— سرکاری کلرکی .... ماہانہ تنخواہ .... سالانہ ترقی .... اور آخر میں پنشن۔
زندگی میں اور کیا چاہیئے؟ اس لئے والدین کے کہنے پر دونوں نے نوکری کے لئے درخواست دے دی۔ اور بہ سرافتدار

حکومت نے انہیں زندہ رہنے کے لئے کلرکی کا عہدہ بخش دیا۔

جس دن گلشن اور ہرچرن کو نوکری ملی، اس دن دونوں بہت خوش تھے۔ اور ان سے زیادہ خوش تھے ان کے والدین۔ جنہوں نے اپنی قسمت اور اپنے بچے کچے سرمائے کو ان دونوں کی پڑھائی میں لگا دیا تھا۔ ماں نے گلشن کو کلیجے سے لگا لیا۔ اور اپنے بیٹے کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا —!

"بیٹیا تو نے میری لاج رکھ لی۔ تمہیں پڑھاتے پڑھاتے تمہارے باپ کی کمر دُہری ہو گئی! .... انسان کب تک کما سکتا ہے۔ میرے بیٹے؟ اب تو شادی کر لے۔ گھر میں ایک چاند سی بہو آ جائے تو میری آخری آشا بھی پوری ہو جائے۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ میں تو چند برس اور زندہ رہوں گی —— پھر —؟"

"ماں .... ماں .... ایسی باتیں نہیں کرتے۔ پرماتما تیری عمر ایک ہزار برس کرے۔"

یہ سنکر ماں نے گلشن کو پھر کلیجے سے لگا لیا۔

۱۲

"بٹیا تم جُگ جُگ جیو۔"

× × × ×

ہرچرن کے والد بھی امیر نہ تھے۔ زندگی کی گاڑی بڑی مشکل سے چلتی تھی۔ پنساری کی ایک چھوٹی سی دوکان تھی۔ صبح سے لیکر رات کے آٹھ بجے تک دوکان پر بیٹھنا پڑتا۔ ایک ایک پیسے کا حساب رکھنا پڑتا تھا۔ آنکھوں کی بینائی کمزور ہو چکی تھی۔

حساب لکھنے کے لئے ایک موٹا چشمہ لگاتے۔ بلغمی مزاج تھا۔ رات کھانستے کھانستے گزر جاتی اور صبح ہوتے ہی وہ دوکان کی طرف نکل جاتے۔ اس عمر میں سہاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بٹیا جوان ہوکر، نوکر ہو جائے، تاکہ والد کا ہاتھ بٹا سکے۔

ہرچرن کی نوکری کی خبر سنکر وہ پھولے نہ سمائے جتنے جان پہچان کے لوگ تھے۔ سب مبارکباد دینے آئے۔ گھر میں بیوی نے دیپ مالا کردی۔ اور سارے محلے میں

مٹھائی بانٹی گئی۔ محلے کا سربراہ مہاشے بانکے لال، جو اچھے جاٹے موٹے تازے اور توانا تھے، وہ بھی مبارکباد دینے آئے۔ بانکے لال بڑے منہ پھٹ لیکن ساتھ ہی خوش مزاج قسم کے آدمی تھے۔

آتے ہی کہنے لگے ۔۔۔ "مبارکباد لکھی شاہ۔ اب تم لکھ پتی بن گئے۔ تیرے بیٹے کو سرکاری نوکری مل گئی۔ بڑے خوش قسمت باپ ہو۔"

"اجی یہ آپ کی دعاؤں کا اثر ہے بانکے جی، ورنہ ہماری کیا اوقات؟ ہم تو آپ کی جوتیوں کی خاک ہیں۔"

"اب تو سارے شہر کی ناک ہو لکھی شاہ۔ بس ایک کام جلدی کر ڈالو۔"

"کونسا کام؟"

"نوکری تو مل گئی میرے چھوکرے کو۔ ذرا کسی چھوکری کا انتظام کرو۔"

"اجی آپ کی دیا سے چھوکری کا انتظام ہو جائیگا۔ بس آپ کی عنایت چاہیئے۔"

"میری عنایت سے کچھ نہ ہوگا۔ ذرا اپنے بیٹے

پر نظر رکھنا۔ آجکل کے لونڈوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ جلدی اسے شادی کے بندھن میں باندھ دو۔ ورنہ آوارہ ہو جائے گا۔ "

" اجی آوارہ کیا بالکل ناکارہ ہو جاتے ہیں ۔ بانکے لال جی۔ آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر۔ "

" بس اس لونڈے کی شادی کر دو۔ دیر نہ کرو۔ ورنہ پچھتاؤ گے ۔ " یہ کہکر بانکے لال گھر سے نکل گئے۔

اتنے میں ہرچرن آگیا۔ آج ہرچرن کے والد بے انتہا خوش تھے۔" انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنے پاس بلایا اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

" بٹیا اب تمہاری شادی ہونی چاہیئے ۔ "

ہرچرن خاموش رہا۔

" جب اس گھر میں دلہن آئے گی نا ؟ تو سارا گھر جگمگا اٹھے گا۔ "

" پتا جی اتنی جلدی کیا ہے ۔ ؟ "

" ارے بٹیا ! دیر ہو رہی ہے۔ ؟ جب ہم تمہاری عمر کے تھے تو کب کے باپ بن چکے تھے۔ "

یہ سنکر ہر چرن شرما گیا۔ بھلا وہ کیا جواب دیتا ؟
وہ خاموشی سے اس دن کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ گھوڑی
پر بیٹھے گا۔ بینڈ بجے گا اور وہ دولہا بن کر دولہن کے گھر
جائے گا۔ پنڈت منتر پڑھیں گے اور وہ ایک سجی سجائی
گہنوں سے لدی ہوئی دلہن کو اپنے گھر لائے گا۔

× × × ×

اگلے دن گلشن اور ہر چرن کی ملاقات ہوئی۔ دونوں
مسکرا رہے تھے۔ دونوں چاہتے تھے کہ وہ جلد از جلد اس
بات کا انکشاف کریں۔ جو بات ان کے والدین نے کہی تھی۔
باقی زندگی کیسے کٹے شادی ہونی چاہیئے ــــــ
افزائیش نسل۔ اس کرّہ ارض پر انسان کا فرض اولین ہے۔
شادی نہ کی تو انسانی نسل کے اعداد و شمار میں کمی ہو جائیگی۔
اور پھر یہ جنسی جذبہ ــــــ اس کا نکاس کس طرح ہو....
......؟ بھلا وہ شادی کیوں نہ کریں۔ ؟
ہندوستان میں کالے، گنجے، لنگڑے، اپاہجوں

بیکاروں، بدصورت سے بدصورت مردوں، بدوضع، بدقطع اور بدشکل عورتوں کی شادی ہوجاتی ہے۔ ان کا تو ناک نقشہ ٹھیک تھا۔ وہ شادی کیوں نہ کریں۔ ان کے والدین نے شادی کی تھی۔ اور اس سے پہلے والدین کے والدین نے شادی کی تھی۔ بچوں کی ایک قطار در قطار کھڑی کر دی تھی۔ بھلا وہ کیوں انکار کریں۔ پڑھ لکھ کر کے جوان ہوکر انسان شادی اور بچے پیدا نہ کرے تو پھر کیا کرے؟ کوئی اور اہم کام ان کے ذہن میں نہ آیا۔ جوان کے ذہنوں کو منور کر سکتا ______ شراب بھی نہیں پی تھی۔ سگریٹ کے دھویں سے دور بھاگتے تھے۔ کمبختوں نے ابھی تک عشق بھی نہیں کیا تھا۔ یوں حسن وعشق کے افسانے سنے تھے۔ لیلیٰ مجنوں اور ہیر رانجھا کی عشقیہ داستانیں سنی تھیں۔

یہ عشق کیا بلا ہے۔؟ کیوں ہوتا ہے۔؟ کیسے ہوتا ہے۔؟ اور آج تک کسی لڑکی نے ان کی طرف جھکی جھکی نگاہوں سے کیوں نہ تاکا؟ اگر دیکھا تو پاس سے شرما کے گذر گئی۔

گو دونوں کے دلوں میں امنگوں اور آرزوؤں کا ایک قافلہ رواں دواں تھا۔ ہر آرزو اپنی جگہ پر مسلی اور کچلی ہوئی تھی۔

ذہن پر پرانے اخلاق کا ایک خول چڑھا ہوا تھا۔ کسی لڑکی سے اظہار عشق کرنا بدنامی کو مول لینا تھا۔

یوں جب کبھی دونوں دوست شام کے وقت بازار سے گذرتے تو اچانک ان کی نگاہیں لڑکیوں کی طرف اٹھ جائیں۔ کبھی کبھی تو وہ دل تھام کر رہ جاتے۔ ان حسین چہروں کو دیکھ کر ان کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی۔ تصوّرات کی دنیا میں کھو جاتے۔ گلشن سوچتا۔ یہ لڑکیاں ہیں یا پریاں؟ یہ کہاں سے آتی ہیں۔؟ اور کہاں جاتی ہیں؟ .... زندگی میں ابھی تک کسی جوان لڑکی سے بات کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ گلشن نے چلتے ہوئے کہا۔

"یار مہر حسن۔ کل شام میں نے ایک لڑکی دیکھی۔ تیری قسم چاند کا ٹکڑا تھی۔ اتنی حسین لڑکی زندگی میں، میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ میں نے اس کا تعاقب کیا —— آگے بڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ چار لڑکے مجھ سے پہلے اس کا تعاقب کر رہے تھے .... بھیا میں اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔ اپنی قسمت میں نہ لڑکی ہے۔ نہ عشق۔ بس شادی ہو جائے گی۔ لیکن مجھے تو اس میں بھی شک نظر آتا ہے۔

دوست ۔ جب تک شادی ہو نہ جائے ۔ یقین کرنا بے وقوفی ہے ۔ !"

"ہاں بھئی تم ٹھیک کہتے ہو ۔ ابھی قسمت کا خانہ عشق و محبت سے خالی ہے ۔ اب تو اوپر والے پر بھروسہ کرنا چاہیئے ۔ "

ایک ماہ کے بعد، جب دونوں کی پہلی تنخواہ ملی تو دونوں نے اپنی اپنی تنخواہ اپنے اپنے والدوں کو دی گلشن کے پتا نے گلشن کی ہتھیلی پہ پندرہ روپے رکھ دیئے اور ہرچرن کے والد نے بیس روپے ۔

شام ہوتے ہی جب گلشن اور ہرچرن ملے تو ان کی جیبیں سکوں سے کھنکھنا رہی تھیں ۔ دونوں بے حد خوش تھے ۔ فضا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی ۔ اور آسمان پہ چاند نکل آیا تھا ۔ دونوں نے پان والے کی دوکان سے پان کھایا اور ذرا آگے بڑھے تو ایک شخص نے کہا ۔

"جناب گھومنے پھرنے چلو گے ۔ ؟"

دونوں اس شخص کی طرف دیکھنے لگے ۔ بھلا وہ دونوں گھوم رہے تھے ۔ اب وہ اور کیا کریں ۔ ؟

"حضور ایسا نقشہ بتاؤں گا کہ جھوم اٹھو گے۔"
اجنبی نے بیڑی سلگاتے ہوئے کہا۔
"بھئی کیا چاہتے ہو۔" گلشن نے اجنبی کی طرف دیکھ کر کہا۔
"حضور میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ مجھے تو آپ کی پسند کے دام ملیں گے۔ لاکھوں میں ایک ہی ہوگی مائی باپ۔ اور وہ بھی بازار کی نہیں۔ کالج کی لڑکی۔"
دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ——
واقعی جب خدا دیتا ہے، تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔
"لونڈیا دیکھتے ہی جناب کے ہوش اڑ جائیں گے۔ یوں سج دھج کے آئے گی کہ معلوم ہوگا کہ واجد علی شاہ کے دربار سے آ رہی ہے۔ اٹھلاتی، بل کھاتی، شرماتی، دلوں کو گرماتی، بجلیاں گراتی۔ کالی اور سیاہ زلفوں کو لہراتی۔"
"خوب نقشہ کھینچتے ہو پیارے! اب اسے لے آؤ۔ ترساؤ نہیں۔"
"بس آپ کا اشارہ ہی کافی ہے۔ حضور۔ کچھ

روپے دیجئے گا۔ ؟"

"کتنے روپئے۔ ؟"

"بس پندرہ روپے حضور۔ !"

گلشن نے پندرہ روپے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔

"آپ ادھر ہی رک جائیے۔ میں لپک کر ابھی آیا۔ جائیے گا نہیں مائی باپ !" ورنہ مجھے شرمندہ ہونا پڑیگا۔ یہ کہہ کر اجنبی دوسری طرف مڑ گیا۔

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"کمبخت نے کیا تصویر کھینچی تھی۔ ؟"

"سچی منھ میں پانی آگیا۔ خون میں بجلی دوڑ گئی۔ آنکھوں میں ایک نشہ سا آگیا۔"

زندگی میں کسی نے پہلی بار یوں بات کی تھی۔ دونوں لڑکی کا انتظار کرنے لگے۔ اور انتظار کرتے کرتے تصورات کی دنیا میں کھو گئے۔ زندگی میں پہلی بار انہوں نے کسی لڑکی کا انتظار کیا تھا ــــــ وہ لڑکی جس کو وہ نہیں جانتے .... اس قسم کے قصے تو بہت سے سنے تھے۔ لیکن آزمانے کی توفیق نہ ہوئی تھی۔

وہ لڑکی کیسی ہو گی ؟ بات کس طرح کرے گی ؟ وہ کیا کہے گی ؟ ہم کیا جواب دیں گے ؟ خیر...... آنے تو دو۔ دیکھنے میں کیا ہرج ہے ؟ زندگی میں پہلی بار اس قسم کا سودا کیا تھا۔ کمبخت ایسا نقشہ کھینچ کر گیا ہے کہ نگاہوں کے سامنے ابھی تک اس کی تصویر ناچ رہی ہے۔

" اٹھلاتی، بل کھاتی، زلفیں لہراتی۔ بجلیاں گراتی

____ کالج کی لڑکی۔"

بے حد متناسب جسم، گورا گورا رنگ۔ ناک ستواں پتلے پتلے ہونٹ، ماتھے پر زلف پریشان، ریشمی ساری میں ملبوس نازو ادا سے بل کھاتی ہوئی، ان کی طرف آئے گی۔ تو وہ اس سے کیا پوچھیں گے ؟ تم کس سے ملنے آئی ہو ؟ اور کیا چاہتی ہو ؟

وہ کیا جواب دیگی ؟ دونوں من ہی من میں سوچ رہے تھے، اور خوابوں کی ایک حسین دنیا آباد کرلی تھی...... جنسی جذبے نے اس اندھیری رات کو اور حسین و خوبصورت بنادیا۔ چاند، املی کے درخت کے پیچھے ایک دلہن کی طرح جھانک رہا تھا۔ آسمان پر کہکشاں روشن تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا

چاروں طرف چراغ روشن ہو گئے ہیں۔ اور ان چراغوں کی روشنی میں وہ خوابوں کی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے۔

یہ انتظار کی گھڑیاں کب ختم ہوں گی۔ ؟ کب کوئی ماہ لقا سج دھج کر ان کے سامنے آئے گی۔ ؟ اس ان دیکھی لڑکی سے انہیں عشق سا ہو گیا تھا۔ وہ لڑکی جو ابھی تک نہ آئی تھی۔ جسکی صورت سے وہ ناآشنا تھے۔ ذرا سی آہٹ پر ان کے کان کھڑے ہو جاتے۔ اور دل دھک دھک کرنے لگتا ....

اور اسی طرح انتظار کرتے کرتے ایک گھنٹہ گزر گیا۔

وہ اجنبی واپس نہیں آئے گا۔ وہ محض ایک چھلاوا تھا۔ ایک حسین اور خوبصورت دنیا آباد کر کے ان سے پندرہ روپے لے گیا۔ ان کی قسمت میں کوئی لڑکی نہ تھی۔ کمانے کے بھی لاکھ طریقے ہیں بس لفظوں کا جال بنتے رہو اور اپنی جیب گرم کر لو ـــــ ایک لمحہ کے لئے ان کے سر بھی شرم سے جھک گئے۔ وہ کتنے بے وقوف تھے ؟ اور اس عرصہ میں نہ جانے کیا کچھ سوچتے رہے۔ خوابوں کا ایک محل تیار

کر لیا۔ ان خوابوں نے کبھی حقیقت کا جامہ نہ پہنا۔ انسان اپنے جذبوں کی تسکین کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا۔ ؟ ہر قدر کو تحس نحس کرکے آگے بڑھتا ہے۔ کالج کی لڑکی کسی کی لڑکی تو ہوگی ؟ اس کے کوئی ماں باپ ہوں گے۔ ؟ بہن بھائی ہوں گے ؟ بھلا اسے کیا ضرورت ہے۔ کہ وہ سج دھج کر ان سے ملنے آئے۔ ؟ اور وہ خود کتنے بے عزت تھے کہ انہوں نے یوں سوچ لیا۔ ؟ اچانک دونوں نے یوں محسوس کیا کہ جس شخص نے لڑکی لانے کا وعدہ کیا تھا۔ اب کبھی نہیں آئے گا۔

گلشن نے اداس لہجہ میں کہا۔ "یار اپنی قسمت ہی کھوٹی ہے۔ اس میں کسی کا قصور نہیں —— اب شادی کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔"

"تم درست کہتے ہو گلشن ! مفت میں پندرہ روپے ضائع ہو گئے۔ میں تو آج گھر والوں کو صاف صاف کہہ دوں گا کہ میری جلد از جلد شادی کر دو !"

دونوں سر نیچے کئے ہوئے ...... کچھ تھکے

ہارے .... ذرا پریشان اور پشیمان ....
اس جگہ سے آگے بڑھ گئے ۔ اور پھر اس راستہ پہ ہولئے
جو ان کے گھر کی طرف جاتا ہے ۔

دو سال گزرنے کے بعد، سب سے پہلے ہر چرن نے شادی کی۔ اس کے بعد گلشن کی شادی ہوئی۔ شادی سے پہلے ہر چرن نے اپنے والدین سے یہ بھی نہ پوچھا کہ لڑکی کیسی ہے ___؟ خوبصورت ہے؟ یا بدصورت؟..... لڑکی کا باپ کیا کرتا ہے.......؟ لڑکی پڑھی لکھی ہے؛ یا اَن پڑھ ___؟ ذات کیا ہے؟........ اس نے سوچا اگر اس نے لڑکی دیکھنے کے لئے کہا تو ہو سکتا ہے کہ لڑکی والے بھی یہی کہیں کہ انہیں بھی لڑکا دکھایا جائے۔ ہر چرن کو اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہ تھی۔ کہیں لڑکی

والے اسے دیکھ کر انکار نہ کر دیں۔ اور پھر سے عمر بھر کنوارا ہی رہنا پڑے۔ اس نے بغیر کچھ کہنے سنے اپنے آپ کو شادی کے بندھن میں باندھ لیا۔

اور گلشن نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب خوابوں کی دنیا میں رہنا بے وقوفی ہے۔ جو حقیقت ہے اسے اپنا لو۔ جب ماں باپ نے شادی کا اعلان کیا۔ اس نے بسر و چشم اس اعلان نامے کے سامنے سر جھکا دیا۔ زندگی میں ایک جیون ساتھی مل جائے تو زندگی کے دن اچھی طرح سے گذر جائیں گے۔

شادی کے بعد دونوں خوش و خرّم رہنے لگے۔ بڑے ہی مرنجان مرنج قسم کے نوجوان تھے۔ بس اپنی قسمت پر شاکر۔ بیوی نے آتے ہی باورچی خانہ سنبھال لیا۔ اور ایک سگھڑ بیوی کی طرح ساس اور سسر کی خدمت کرنے لگی۔ امور خانہ داری کے علاوہ اور کچھ نہ آتا تھا ——— بچے پیدا کرو ——— اور ساتھ ہی ساس سسر اور اپنے خاوند کی سیوا کرو۔! اور زندگی کے دن کاٹ دو۔ خاوند ایسے ملے کہ بیوی

کی اداؤں پر مر مٹنے والے۔ آگے پیچھے گھومنے والے۔ صبح سائیکل پر سوار ہو کر دفتر چلے جاتے اور شام کو اسی طرح سائیکل پر سوار ہو کر گھر چلے آتے۔ اپنے والدین سے چھپ کر بیوی سے پیار کرتے —— جب والدین گھر میں نہ ہوتے تو وہی گھر پیار و محبت کی آجگاہ بن جاتا۔ یہی اس کی بیوی تھی۔ یہی اس کی معشوقہ تھی۔

اگر خوش شکل نہ تھی تو بدصورت کہنا زیادتی ہوگی۔ جب گھونگھٹ نکالتی تو بے حد اچھی لگتی۔ ہلکی پھلکی ساری میں وہ شرم و حیا سے سمٹ سی جاتی۔ جب ساتھ بیٹھ کر وہ اس کی کلائی اپنی طرف کھینچتا تو وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اس سے الگ ہو جاتی۔ اور کہتی۔

"ہائے رام کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا ؟ آپ تو لالہ جی کے سامنے بھی میری طرف یوں دیکھتے ہیں۔ جیسے زندگی میں کسی لڑکی کو پہلی بار دیکھا ہو۔ ہٹیے نا! دن کو تو آرام سے بیٹھئے !!"

کتنی سچی بات کہی تھی بیوی نے۔ ان چوبیس برسوں

میں اس نے کب کسی لڑکی کو چھوا تھا ـــــ بس گھر میں ایک ماں تھی۔ اور بہن .... اور راستہ میں جو لڑکیاں ملتی تھیں۔ انہیں وہ کیا سمجھتا ؟ شادی کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ "تم ہی تو زندگی میں پہلی بار عورت بن کے آئی ہو۔" اس سے پہلے کس نے عورت کا جسم دیکھا تھا۔ ؟ کس نے اس نرم اور گرم جسم سے پیار کیا تھا ؟ کس نے ان شرمیلی آنکھوں میں پیار کے آنسو دیکھے تھے ؟ اس سے پہلے کس نے تھرتھراتے ہوئے لبوں پر اپنے جلتے ہوئے ہونٹ رکھنے کی اجازت دی تھی۔ ؟ کس نے یہ بات سوچی تھی کہ تمہیں ہر صورت میں سات بجے گھر پہنچنا ہی چاہیئے۔ ؟ نہیں تو بیوی رو رو کر جان دے دے گی ! اور جب تم رات کے اندھیرے میں ہانپتے ہوئے اسے اپنی قلبی واردات سناؤ گے تو وہ تمہارے سینے سے چمٹ کر رو دے گی۔ اور کہے گی ...." ہائے رام ! کسی اور لڑکی سے عشق نہ کرنا ـــــ" ارے پگلی کون کرتا ہے عشق ؟ کہاں ہے وہ ماہ لقا ؟ تم مل گئیں تو سمجھ لو جنت مل گئی۔ ویرانے میں بہار آگئی۔ کس نے یہ انجانے راستے دیکھے تھے۔ ؟

شادی نہ ہوتی تو جسم کی لذت سے کیسے ہمکنار ہوتا۔؟

دونوں ہی دوست مل کر ان مہکتی ہوئی راتوں کا ذکر کرتے۔ دونوں کو نہ شہرت کی بھوک تھی اور نہ ہی انہیں روپوں کا اتنا لالچ تھا کہ انسان اپنا ضمیر تک بیچ دے ایک چھوٹا سا گھر........ایک بیوی........اور چند بچے!.......اور ماں اور باپ........زندگی انہیں کی خدمت میں گذر جائے تو پرماتما کی بڑی ہی عنایت ہوگی۔

شادی کے ٹھیک ایک سال بعد ہرچرن داس کے گھر لڑکی پیدا ہوئی۔ اور وہ مسکراتا ہوا گلشن کے پاس آیا۔ اتوار کا دن صبح ہوتے ہی وارد ہوگیا۔ گلشن اپنی بیوی رنتو کے ساتھ باہر برآمدے میں دھوپ سینک رہا تھا۔ دونوں کچھ اس انداز سے ایک دوسرے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ گلشن کو دیکھتے ہی وہ شرما گئے۔

"بھابی ہم سے شرما کے کیا کروگی؟ ہم تو خوشخبری سنانے آئے ہیں۔"

پہلے بیٹھ جا! پھر بات کرنا!! گلشن نے چہک کر کہا۔

ہرچرن ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔
" اچھا اب بتا کہ اتنی صبح آنے کی کیا ضرورت تھی۔
—— ؟"
" یہ کہنے آیا ہوں ۔۔۔۔۔۔۔ کہ ۔۔۔۔۔ میں آج باپ
بن گیا۔"
" اس سے پہلے کیا تھے ۔ ؟"
" محض ایک خاوند ۔"
" اچھا یہ بتایئے کہ لڑکا ہوا ؟ یا لڑکی ۔ ؟"
" یار ۔۔۔۔۔۔ لڑکی "۔۔۔۔۔ ہرچرن داس
نے اداس لہجہ میں کہا۔
" تو ابھی سے اداس ہو گیا ۔ ؟"
" داماد کی فکر شروع ہو گئی نا ابھی سے۔ تم جانتے
ہو لڑکی کے پیدا ہوتے ہی جہیز بنانا پڑتا ہے ۔ ؟"
" تو فکر نہ کر !"
" کس بات کی ۔ ؟"
" لڑکی کی !"
" کیوں ۔ ؟"

"تیری بھابی پیٹ سے ہے نا۔ اور دیکھ بھگوان کی کرپا سے ہمارے یہاں لڑکا ہونے والا ہے ...... اور میں قسم کھا کے کہتا ہوں۔ کہ اگر لڑکا ہوا۔ تو تیری لڑکی سے اس کی شادی کروں گا۔ ملا ہاتھ !"

"آپ بھی غضب کرتے ہیں ـــــ ابھی سے ـــــ ؟" رینو چہک کر بولی۔

"بھابی تو بھی ہاتھ ملا اور ساتھ وعدہ کر! کہ اگر تیرے لڑکا ہوا تو اسکی شادی میری بیٹی سے ہوگی ـــــ نکال ہاتھ !" ہرچرن نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ دونوں کو کیا ہوگیا ہے۔ ؟" رینو نے شرماتے ہوئے کہا۔

"پہلے ہاتھ ملا میرے دوست سے۔ !"

"اگر لڑکی ہوگی تو ؟" رینو نے آنکھوں کو جھپکاتے ہوئے کہا۔

"پہلے تو ہاتھ ملا ! لڑکی نہیں ہوگی !! پرماتما اتنا بے رحم نہیں ہے۔ !!!"

رینو نے شرماتے ہوئے ہاتھ آگے کر دیا۔ ہرچرن

داس نے ہاتھ پکڑا اور اس کے اوپر گلشن نے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"لے اب خوش ہو جا میرے یار!"

تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے۔

× × × ×

چند مہینے گزرنے کے بعد گلشن کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اور جب ہر چرن داس۔ مبارکباد دینے آیا تو اس کی آنکھوں میں چمک سی تھی۔ اسے واقعی گلشن کے یہاں لڑکا پیدا ہونے کی خوشی ہوئی —— جیسے اس کے سر سے ایک بڑا بھاری بوجھ اتر گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ پندرہ برسوں کے بعد گلشن کے لڑکے ہر سکھ نے میٹرک پاس کر لیا۔ ہر چرن داس کی لڑکی پانچویں جماعت سے آگے نہ بڑھ سکی۔ ان برسوں میں دونوں کی کایا پلٹ گئی تھی —— لوگ ترقی کے زینے کی طرف قدم رکھتے ہیں۔ یہ بیچارے اپنی ہی جگہ پر رہے۔ کوئی وسیلہ نہ تھا جس کا وہ

سہارا لیکر آگے بڑھتے۔ بس مہنگائی الاؤنس اور سالانہ ترقی سے کیا ہوتا ہے ؛ ہر سال گھر میں جو اضافہ ہوتا رہا۔ اس کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا دس سالوں میں، دونوں گھروں میں۔ چھے چھے بچوں کا اضافہ ہوا ـــــ ماتا اور پتا سورگ سدھار گئے گئے .... مہنگائی اتنی بڑھی کہ زیور تک بک گئے۔ ہر ماہ جو تنخواہ ملتی تھی۔ بڑی مشکل سے اس سے دو وقت کا گذارہ چلتا۔ گلشن ان پندرہ سالوں میں کافی بدل گیا تھا۔ ان پندرہ برسوں میں اس کے جسم نے ایک عجیب سی ہیئت اختیار کر لی تھی۔ کنپٹیوں کے گرد بال سفید سے ہو گئے، اور گال پچک سے گئے۔ اس عرصہ میں اس نے پانچ چھے دانت نکلوا دیئے۔ جسم کی جلد سوکھ سی گئی۔ گو گلشن لعل ایک طرح خوش قسمت نکلا کہ اس کے پانچ لڑکے تھے اور صرف ایک لڑکی ـــــ اور جہاں ہر چرن داس کی پانچ لڑکیاں اور صرف ایک لڑکا۔ وہ بچارا تو ان لڑکیوں کے بوجھ سے دبا جا رہا تھا۔ اتنی رقم کہاں سے آئے گی۔ ؟ ایک لڑکی کی شادی پر کم سے کم پانچ ہزار روپے خرچ ہوں گے .... اور پانچ لڑکیوں کے لئے تو

پچیس ہزار روپے چاہئیں، اور بنک میں ایک دھیلا نہ تھا۔
بڑی مشکل سے گھر کا گزارہ چلتا تھا۔ پھر آئے دن چیزوں
کی قیمتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ بیوی کو ایک عرصہ سے دمہ
ہو گیا۔ علاج کراتے کراتے حالت اور خراب ہوتی گئی۔

ماں بیمار ہوئی تو ساہوکار سے قرضہ لینا پڑا۔ عمر
رسیدہ ہونے کی وجہ سے ماں تو چل بسی —— محلے والوں
نے کہا۔

"اگر ماں کی راکھ گنگا میں نہ بہاؤ گے تو دن رات
پوجا پاٹھ کرنیوالی ماں کی آتما بھٹکتی رہے گی۔ بس ہر جرن
داس نے کسی دوست سے روپے ادھار لئے اور ہردوار
کی طرف چل پڑا۔ اور اس طرح قرض بڑھتا گیا۔ وہ کبھی
کبھار تنخواہ میں کچھ روپے بچا کر قرض اتار دیتا۔ کچھ عرصہ کے
بعد اسے پھر ادھار لینا پڑا .... اور اب سب سے
بڑی لڑکی شاردا جوان ہو گئی تھی۔ اس کی شادی کرنا تھی۔
بس یہ ماتما کا شکر تھا۔ شاردا کے لئے دولہا لانے کے لئے
دوڑ دھوپ نہیں کرنی پڑے گی۔ بات طے تھی۔ صرف شادی
کا دن مقرر کرنے کا تھا۔ جہاں تک جہیز کا تعلق ہے وہ تو

تھوڑا بہت بن جائے گا۔ گلشن کا لڑکا ہے۔ گلشن اپنا دوست ہے۔ کچھ بھی دے دیا تو چلے گا ـــــــ اس لئے زیادہ جھگڑا کیا تو اپنے دوست کے قدموں پر پگڑی رکھ دوں گا۔ اور کہوں گا۔ " آج تو دوستی کی لاج رکھ ! "

گلشن نے اپنے لڑکے ہرسکھ رائے کو بلا کر کہا۔

" بیٹا ! اب تو جوان ہو گیا ہے۔ شادی کر لے۔"

ہرسکھ نے اپنے باپ کی طرف دیکھا......... اس نے سوچا کہ اپنے پتا جی سے کہہ دوں کہ اتنی جلدی شادی کر کے کیا کروں گا۔ مگر زبان پر تالا لگ گیا۔ والد نے سمجھا کہ لڑکا شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور گلشن کے والد نے گلشن کی شادی میٹرک پاس کرنے کے بعد کر دی تھی۔ ہرسکھ رائے کی شادی بھی کر دینی چاہیئے۔ ہرسکھ اس کا بیٹا ہے۔ چھوٹی عمر میں لڑکوں کی شادی کر دو تو بگڑتے نہیں۔ لڑکیوں کے پیچھے بھاگتے نہیں۔ گھر بسا کے بیوی بچوں کو پالنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ادھر ادھر کی باتیں نہیں سوچتے شراب خوری اور آوارہ گردی سے بچ جاتے ہیں۔ اس لئے گلشن نے اپنے بیٹے کو سکھ دینے کے لئے اس کی شادی

کی تاریخ مقرر کر دی اور بیٹا خاموشی سے یہ سزا بھگتنے کیلئے تیار ہو گیا۔

شادی کی تاریخ مقرر کرنے کے بعد ایک بار رنبو نے ضرور گلشن سے کہا۔

"آپ نے لڑکی دیکھی۔؟"

میں ہر چرن داس کی بیٹی کو اپنی بیٹی سمجھتا ہوں رنبو۔ ایک دو بار گلی سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ نظر اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھ سکا۔

"جی رنگ تو کوے کی طرح سیاہ ہے۔"

"تو کیا ہوا ؟"

"ناک موٹی ہے۔"

"اس میں اس بیچاری کا کیا قصور ؟"

"تو کیا اس میں ہمارا قصور ہے۔ ؟" ایک آنکھ سے بھینگی بھی ہے۔"

"سب ایشور کی مایا ہے۔ رنبو۔ تو اپنی طرف دیکھ : رنگ تو تیرا بھی سیاہ ہے۔ لیکن تو دل کی کالی نہیں۔ کسی کی بیٹی کو یوں نہیں ناک کہتے۔ نہ جانے ہمیں

کیسا داماد ملے۔ اس کی شکل و صورت کیسی ہو گی ——
شادی تو لاٹری ہوتی ہے رنبو۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی
قسمت میں کیا لکھا ہے ؟ اور شاید تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ آج
سے کئی سال پہلے میں نے اور تم نے ہر چرن داس سے وعدہ
کیا تھا کہ اگر ہمارے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس کی شادی
اس کی لڑکی سے ہوگی۔ "

" وہ بات تو پرانی ہو گئی۔ "

" تمہارے لئے پرانی ہو گی۔ میرے لئے بالکل
نئی اور تازہ ہے۔ میں اپنے دوست کو دھوکا نہیں دے
سکتا۔ "

رنبو یہ سنکر خاموش ہو گئی۔ ہر سکھ رائے نے شادی
کی بات سنکر کیا محسوس کیا ؟ اس کے متعلق کوئی کیا کہہ
سکتا ہے۔ اس نے ہر چرن داس کی لڑکی شاردا کو نہیں
دیکھا تھا۔ اس نے دراصل شادی کے بارے میں سوچا
ہی نہیں تھا۔ شادی کی تاریخ اس کے ذہن پر بجلی کی
طرح گری۔ وہ اس عمر میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔
ابھی تو اس نے میٹرک پاس کیا تھا۔ وہ زندگی میں کیا کرنا

چاہتا تھا ــــــ ؟ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا۔ ابھی تو وہ عجیب غریب قسم کے جذبات و احساسات سے دوچار تھا ......

نوجوانی کے اولین احساسات جن کی بنیاد بڑی کچی ہوتی ہے ــــ خوبصورت لڑکی ...... ہائے وہ کیا چیز ہوتی ہے ؟ کسی کی جھکی جھکی سی نگاہیں۔ اسے کیوں پسند تھیں ؟ جب کسی پیشانی پہ زلف پریشاں ہو جاتی ہے۔ تو وہ کیوں پریشان ہو جاتا ہے۔ ؟ پورن ماشی کا پورا چاند جب آسمان پر ابھرتا ہے۔ تو جی چاہتا ہے کہ انسان اس کی طرف دیکھتا رہے۔ جب بہار کا موسم آتا ہے اور درختوں کی ٹہنیاں پھولوں سے لد جاتی ہیں۔ تو کیوں اسے کسی شوخ حسینہ کے جسم کا خیال آتا ہے۔ ؟ شادی کر کے وہ کیا کرے گا ؟

یہ حسین اور خوبصورت خیالات و احساسات جو اس کے ذہن میں حسین تصویریں بناتے ہیں۔ ان سے لذت لینے کو جی چاہتا ہے۔ رات کو خواب میں جب کبھی لڑکی اس کے قریب آتی ہے، تو کیوں اس کا سانس پھول سا جاتا ہے ؟ کیوں ندی کا شفاف پانی اسے بہکاتا ہے ؟ کیوں نرم نرم گھاس پہ لیٹنے کو جی چاہتا ہے ؟ یہ کیسی

انجانی خوشیاں ہیں ؟ ماں باپ اتنی جلدی کیوں اپنی اولاد
کو ان خوشیوں سے محروم کر دیتے ہیں۔ ؟ اور اتنی جلدی جمع
اور تقسیم کی زندگی ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ! ہرسکھ رائے
بغاوت کا پرچم بلند نہ کر سکا ـــــ اور جب شادی کا دن
آیا، تو دولہا بن کر دلہن کے قریب بیٹھ گیا اور اس لئے اپنی
قسمت کو شادی کی دہلیز پر ٹیک دیا۔

x x x x

یہ کیسی سہاگ رات تھی ؟ پلنگ پر بیٹھی ہوئی، سمٹی
ہوئی، شرمائی سی۔ اس کی بیوی شاردا تھی۔ دونوں کو عمر
بھر کے رشتے میں منسلک کر دیا گیا۔ اور شاردا نے گھونگھٹ
نکالا ہوا تھا۔ اس گھونگھٹ کے پیچھے کیا تھا۔ ؟
اس سرخ دوپٹے، ریشمی قمیص اور شلوار کے اندر کیا
ہے ـــــ ؟ کون جانتا ہے۔ ؟ کس نے خوب صورتی کو
پیار نہیں کیا۔ جو ہرسکھ رائے اس کی تمنا نہ کرتا ؟ زندگی
میں کس نے ہوائی قلعے نہیں بنائے جو ہرسکھ رائے نہ بناتا ؟

بس ایک پردہ تنہا دونوں کے درمیان یہ گھونگھٹ اٹھ جائے تو رنگ روپ کی قوسِ قزح کھنچ جائے۔ فضا میں پھلجھڑی جل اٹھے جیسے چاندنی کی آبشار بہتی ہے۔ پائلی ہاتھ لگتے ہی پھول بن جائے۔ پیشانی پر زلف بکھر جائے .... ہوا کے دوش پر ایک میکدہ اڑتا ہوا آئے۔ کوئی رقاصہ ناچتی بل کھاتی ہوئی سامنے آ جائے .... یا کوئی فلمی ہیروئن اپنا بہترین لباس پہن کر اور ایک دلفریب پوز بنا کر اس کے سامنے کھڑی ہو جائے۔ ہائے یہ تمنائیں کتنی ننگی اور بے غیرت ہوتی ہیں۔ اور ان آنکھوں سے ایسی شعاعیں نکلتی ہیں جو x ray کی طرح کپڑوں اور جسم کے پرے چلی جاتی ہے۔

پھر ایک مہین سی آواز آئی .... "بیٹھئے نا۔"

اور ہر سکھ رائے اپنے دھڑکتے ہوئے دل کا تھام کر بیٹھ گیا ـــــ اسے کا قرار احسیتہ اپنا گھونگھٹ تو کھول اور مست بھری نظروں سے دیکھ! تو میری جیون ساتھی ہے۔ اس زندگی کی شاہراہ پہ ہم دونوں اکٹھے چلیں گے۔ ایک جان دو قالب ہو کر۔ تیرا دکھ میرا دکھ ہے۔ اور تیرا سکھ میرا سکھ ہے۔ آج کی رات کے بعد ہم دونوں ایک

ہو جائیں گے۔ تو اپنا گھر چھوڑ کر آئی ہے۔ اپنے ماں باپ کو جنہوں نے تمہیں پالا، پوسا اور جوان کیا۔ تیرا دل بھی آشاؤں اور تمناؤں سے منور ہے۔ تم نے ایک انجانے مسافر کو اپنی زندگی کا ناخدا بنا لیا ہے۔ آج سے وہ تیرا اپنا ہوگا۔ تیرا باپ ماتا۔ اور ہر سکھ نے سوچا —— گھونگھٹ اٹھنے سے پہلے اور —— گھونگھٹ اٹھنے کے بعد۔ نہ جانے کیا کچھ ہو جائے۔ یوں اس سے پہلے بھی بہت کچھ ہو گیا تھا.... دو زندگیاں، چپکے سے ایک دوسرے سے منسلک کر دی گئی تھی۔

اس کے اپنے دل کے تصورات کے خانے میں، اپنی ہونے والی بیوی کی کتنی خوبصورت تصویریں بن چکی تھیں۔ اور کون نہیں بناتا۔؟ اور کیوں نہ بنائے؟ جب زندگی میں چاروں طرف بدصورتی اور کمینگی ہو، تو انسان خوابوں کے سہارے کیوں نہ جیئے۔؟

یہ خواب کتنے حسین، دلفریب اور دلکش ہوتے ہیں۔ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک ایک دلفریب زندگی کا جال بچھا دیتے ہیں۔ بہت سی چیزیں جو ہم زندگی میں

حاصل نہیں کر سکتے۔ انہیں خوابوں کی صورت دیکھ اپنے آپ کو تسکین دیتے ہیں۔ اور جب زندگی میں کوئی خواب حقیقت کا روپ اختیار نہیں کرتا۔ تو بس زندگی ایک عذاب بن کر رہ جاتی ہے۔

شاردا ـــــ ! وہ بڑبڑایا.......!! "چھوٹی ہی عمر سے میرا ذہن خوابوں کا مسکن رہا۔ انہیں کے سہارے پلا۔ بڑھا۔ اور جوان ہوا۔ مجھے خوبصورتی سے ہمیشہ محبت رہی۔ اب تو اپنی صورت دکھا دے۔ !!"

شاردا خاموش بیٹھی رہی اور اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلی۔ اس نے خود ہاتھ بڑھا کر شاردا کا گھونگھٹ سرکا دیا.......اور........صورت دیکھتے ہی سکتے میں آگیا۔

ـــــ یہ کیسی صورت تھی۔ ـــــ ؟ جو اس نے دیکھی۔

کاش وہ اس صورت کو نہ دیکھتا۔

وہ کیا کرے ؟ کہاں جائے ؟ کس سے شکایت کرے ؟ اس نے چلانا چاہا، مگر آواز حلق میں اٹک گئی۔ شاردا کے بدصورت چہرہ کو دیکھ کر اس کے ہوش و حواس گم ہوگئے۔ خوابوں کا محل چکنا چور ہوگیا۔

کہاں ہے وہ چاند سا مکھڑا ـــــ ؟ جس کو حاصل کرنے کے لئے اس نے اتنے سال گزارے تھے۔ کیا میری ماں اور پتا جی نے شادی سے پہلے اپنی بہو کی صورت نہ دیکھی تھی۔ ـــــ ؟ اگر نہیں تو کیوں......؟

اگر دیکھی تھی تو کیا انہیں بھی بہو پسند آئی تھی؟ کیا میری خاموشی کا یہی صلہ ہے ؟ کہ مجھے بقید حیات سولی پر لٹکا دیا جائے ـــــ وہ چپ چاپ، گم سم۔ اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا رہا۔

اور اس کی بیوی........ بڑی سہمی ہوئی سی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ یہ سوچ کر ـــــ کہ اس کا کیا قصور ہے۔ ؟

اگر اس کی آنکھ بھینگی تھی۔ تو وہ کیا کرتی ؟ اگر اس کا رنگ سیاہ تھا۔ تو اسے گورا کیسے کرلیتی ؟ اگر اس کی آنکھوں میں رعنائی اور کشش نہ تھی، تو ان آنکھوں میں بجلیاں کیسے بھرے۔ ؟

ہاں وہ بدصورت تھی ـــــ شاید ہر سکھ کے ماں باپ کو علم نہ تھا۔ جس نے اس کی طرف دیکھا منہ موڑ لیا۔

.... اس جسمانی بدصورتی کا کیا علاج ؟ وہ کس کے آگے ہاتھ پھیلائے ؟ کس جرّاح کے پاس جائے ؟ اور اس سے کہے کہ میرے چہرے کو خوبصورت بنا دو! آنکھوں کو یوں لگاؤ کہ دیکھنے والوں کا کلیجہ دھک سے رہ جائے۔ پلکیں رخساروں پر یوں گراؤ کہ ایک نشہ طاری ہو جائے۔ ناک کو یوں لگاؤ کہ ہر شخص کہہ اٹھے کہ اس سے بہترین ناک اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ زلفوں کو شانوں پر یوں رقصاں کر دو کہ معلوم ہو کہ چاروں طرف گھنگھور گھٹا چھا گئی ہے۔ اور جب چلوں تو ایسا معلوم ہو کہ کسی نرتکی کے گھنگرو اچانک آپس میں ٹکرا گئے ہیں۔ اور ان سے ایسی دلفریب آواز بلند ہو کہ سننے والوں کے قدم وہیں رک جائیں۔ اور دیر تک ان کے کان اس لطیف آواز سے، لطف اندوز ہوتے رہیں۔

کچھ اس طرح شاردا نے سوچا تھا اپنے بارے میں ـــــ دونوں کے اپنے اپنے خواب تھے۔ ہم خیال ہوتے ہوئے بھی وہ دونوں ایک دوسرے سے دور تھے۔

وہ اپنی بیوی کے قریب بیٹھا رہا۔ جیسے وہ موت کا انتظار کر رہا ہو۔ اور پھر اس کی بیوی انتظار .....

کرتے کرتے سو گئی۔

صبح ہوتے ہی جب ہرسکھ کی ماں اپنی بہو کو دیکھنے آئی تو اس نے دیکھا کہ دروازہ کھلا تھا ——— اور اندر سے سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔

ہرسکھ کی ماں گھبرا کر اندر لپکی۔ شاردا پلنگ پر لیٹی ہوئی رو رہی تھی۔

"کیا ہوا بہو ؟" ہرسکھ کی ماں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

شاردا روتی رہی۔

"بتاتی کیوں نہیں شاردا! کیا ہوا۔ ؟"

وہ پھر بھی روتی رہی۔

"ہرسکھ کہاں ہے بہو۔ ؟"

"وہ تو چلے گئے ماں جی۔"

"کہاں چلا گیا ہرسکھ۔ ؟"

"مجھے کیا معلوم ماں جی۔ میری قسمت پھوٹ گئی۔ انہوں نے مجھ سے بات تک نہ کی۔ بس صورت دیکھتے ہی ہکے بکے رہ گئے۔ کاٹو تو بدن میں خون نہیں ———

میری صورت دیکھنے کے بعد وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ صبح
جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا وہ کمرے میں نہیں تھے۔"
" ہائے میں مر گئی۔ کہاں گیا میرا بیٹا ؟" ہرسکھ
کی ماں نے چھاتی پیٹتے ہوئے کہا۔
اتنے میں ہرسکھ کے پتا آگئے۔
" کیا ہوا ہرسکھ کی ماں ؟ رو کیوں رہی ہو۔ ؟"
" کاکا چلا گیا۔ "
" کہاں چلا گیا۔ ؟"
" اگر مجھے معلوم ہوتا تو بتا دیتی۔ یوں تو تمہیں
پہلے یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ گیا کیوں۔ ؟
" یہ تو مجھے معلوم ہے کہ وہ گیا کیوں ؟"
" اگر معلوم تھا تو اسے روکا کیوں نہیں ؟ "
" میں نے سوچا کہ شاید وہ اتنا لمبے وقوف نہیں
ہے۔ "
" جتنا کہ وہ نکلا۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا ؟"
" ٹھیک کہتی ہو ہرسکھ کی ماں۔ ذرا باہر آؤ۔"
دونوں اس کمرے سے نکل کر باہر برآمدے میں

آ گئے۔

"تمہاری اور میری شادی ہوئی تھی نا۔ ؟" گلشن نے چڑ کر کہا۔

"ہوئی کیوں نہیں تھی ؟ بڑے دھوم دھام سے ہوئی تھی !

"خاک دھوم دھام سے ہوئی تھی ——— بس یوں کہو کہ ہوگئی تھی۔!

"شادی سے پہلے تم نے مجھے دیکھا تھا۔ ؟"

"دیکھ لیتی تو شاید، شادی نہ ہوتی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"کیا تم مجھ سے خوبصورت ہو۔ ؟"

"خوبصورت تو نہیں۔ مگر تم سے زیادہ بدصورت بھی نہیں۔ اچھا یہ بتاؤ ——— شادی سے پہلے تم نے کوئی خواب دیکھا تھا ہر سکھ کی ماں۔ ؟"

"بہت سے خواب دیکھے تھے۔"

"مثلاً ؟"

"کہ تم خوبصورت ہو گے۔"

"اور میں نہیں نکلا ؟"

"اس میں کیا شک ہے۔؟"

"اور کیا سوچا تھا۔؟"

"کہ تم اتنے روپے کماؤ گے کہ میں اور میرے بچے بڑے مزے سے رہیں گے۔ میں اپنا مکان بناؤں گی۔ اور اسے یوں سجاؤں گی کہ سارا شہر اسے دیکھ کر دنگ رہ جائے۔"

"اور یہ خواب بھی تمہارا پورا نہ ہوا۔؟"

"اور میں نے اپنی بیوی کے بارے میں سوچا تھا کہ وہ بے حد حسین ہو گی۔ لیکن شادی ہو گئی تمہارے ساتھ۔؟"

"کسی اور سے کر لیتے۔"

"اگر کوئی اور ملتی تو ضرور کر لیتا۔"

"اب کر لو۔!"

"اب کوئی فائدہ نہیں ـــــ بس نقصان ہی نقصان ہے۔"

"ارے تم اپنے نقصان کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ میرا بیٹا کہاں گیا۔؟"

" وہ بیوی کی صورت دیکھ کر بھاگ گیا ہر سکھ کی ماں۔ "

" اگر وہ واپس نہیں آیا تو ؟" ہر سکھ کی ماں نے روتے ہوئے کہا۔

" وہ گھر واپس نہیں آیا تو کہاں جائے گا۔ ؟ رہنے کا کوئی اور ٹھکانہ ہی نہیں۔ "

" اتنا بڑا دیس ہے کہیں چلا جائے گا۔ "

" جاکے کیا کرے گا۔ ؟ "

" غصہ میں آکے زہر کھا سکتا ہے۔ ؟ "

" ساری رات پڑی تھی زہر کھانے کے لئے۔ اگر اتنا ہی اسے زہر کھانے کا شوق تھا۔ تو یہیں کھا لیتا۔

" بات کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ کیا کہہ رہے ہو۔ ؟ "

" میں اپنے بیٹے کو جانتا ہوں۔ وہ خودکشی نہیں کرے گا۔ ہمارے خاندان میں آجتک کسی نے خودکشی نہیں کی۔ ـــــ کمبخت مصیبتیں جھیلتے جھیلتے مرجائیں گے لیکن خودکشی نہیں کریں گے .... مرنے کے لئے

ہمت چاہیئے ہرسکھ کی ماں ـــــ ! اب تو ہی بتا کیا ہم نے کم تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ ؟ اور ابھی تک جی رہے ہیں۔ ہم میں سے کون مرا ؟ انسان کے اندر زندہ رہنے کی خواہش بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ ہرسکھ کی ماں۔ اس دنیا میں ننیانوے فیصدی لوگ زندہ رہنا جانتے ہیں۔ اس لیئے دنیا کی آبادی بڑھتی جارہی ہے۔ تو بے فکر رہ ! تیرا بٹیا صحیح سلامت واپس آجائے گا۔

~ ۔۔ ~

ہرسکھ کے لئے دلی سے لیکر ہردوار کا سفر بڑا تکلیف دہ تھا۔ تھرڈ کلاس کے ڈبے میں کھڑے ہونے کی جگہ بڑی مشکل سے ملی۔ اگر ہرسکھ کے مزاج میں ذرا تیزی اور تندی ہوتی تو آج اس کی لاش تھرڈ کلاس کے ڈبے میں ملتی۔ تھرڈ کلاس کے ڈبے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر ایک سردار صاحب پر پڑی۔ جو مزے سے لیٹے ہوئے تھے۔ اور اٹھنے کا نام نہ لیتے رات کا وقت ہوتا تو انسان یہ سمجھ لیتا۔ چلئے انہیں سونے دیجئے۔ مگر دن کے وقت تین چار آدمیوں کی سیٹ گھیر لینا کہاں کی شرافت تھی؟ اس دنیا میں شرافت کی قدر کون کرتا

ہے جو سردار صاحب کرتے۔ انہیں تو اپنی طاقت اور شہ زوری کا گھمنڈ تھا۔ وہ کسی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتے۔ ایک دو نے بیٹھنے کی کوشش کی۔ مگر سردار جی نے گرجدار آواز میں گرج کر سب کو خاموش کر دیا۔

تقریباً دو گھنٹے سے ہر سکھ کھڑا تھا۔ ہر اسٹیشن پر وہ امید کرتا کہ لوگ اتر جائیں گے اور اسے بیٹھنے کی جگہ مل جائے گی۔ ہر اسٹیشن پر اور سواریاں ڈبے میں آتی گئیں۔ یہاں تک کہ سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ ڈبہ کیا تھا۔ چلتا پھرتا سرکس تھا۔ بھانت بھانت کے لوگ طرح طرح کی بولیاں بول رہے تھے۔ مرد، عورتیں۔ بوڑھے، جوان، بچے۔ لیٹے، بیٹھے اور کھڑے ہو کر سفر کر رہے تھے۔ زیادہ تر متوسط طبقہ کے لوگ اس ڈبے میں تشریف فرما تھے چند غریب بھی تھے۔ جو بجید پھٹے، میلے، کپڑوں میں ملبوس اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں تھے۔ ان کے چہروں سے یوں محسوس ہوتا جیسے زندگی کا آخری سفر کر رہے تھے۔

جب ہر سکھ میں مزید کھڑے رہنے کی طاقت نہ رہی تو اس نے سردار جی کی طرف دیکھا۔ جو مونچھوں کو تاؤ دیتے

ہوئے کہہ رہے تھے ۔ " میرے قریب بیٹھ کر دیکھیو تو سہی۔"
ہرسکھ نے بڑے مسکین لہجہ میں سردار جی سے کہا ۔
" بادشاہو ذرا بیٹھنے تو دیجئے ۔"
" ارے منڈے ذرا تمیز نال گل کر ! اسی بادشاہ
وادشاہ نہیں ۔"
" تو سردار جی دو گھنٹے سے میں کھڑا ہوں اور آپ
چار آدمیوں کی جگہ گھیرے ہوئے ہیں ۔ ذرا اٹھ کر بیٹھ
جایئے ۔"
" ارے پہلے اپنی صورت دیکھ پھر ساڈے نال
گل کر ۔
" تینوں پتر سمجھ کے اپنے کول بٹھایو سردار جی۔"
ہرسکھ نے پنجابی زبان میں جواب دیتے ہوئے کہا۔
" اوے آجکل تے پتراں کی وے ۔ جو چلدی گڈی
وچ لوکاں نوں پیو بنا لیں ۔ اگے چل کے تو مینوں پتر بنالویں۔
تے میں تیرا کی وگاڑ لیواں گا۔"
یہ سنکر ہرسکھ کو غصہ سا آگیا ۔ کہنے لگا ۔
" سردار جی اگر آپ میری بات نہیں مانیں گے تو

ہیں زنجیر کھینچ کر گارڈ کو بلاؤں گا۔ اور آپ کو اٹھنا پڑیگا۔"

"گارڈ نوں چھڈ کے تو گا ڈنوں بلا لے۔ اسی اپنی جگہ تے ڈٹے رانگے۔ تو زیادہ شور مچاویگا تو اسی تیری ڈبری ثابت کریں گے۔ اور چپک کے دروازے تے باہر سٹ دیں گے۔"

"سردار جی!"

"ادے انکھ لال کر کے ساڈے نال گل نہ کر!

اے کرپان ویکھ سیدھی ڈھڈ وچ ٹھوک دیاں گے۔"

کرپان دیکھ کر ہر سکھ کے ہوش حواس گم ہو گئے۔ اس نے ڈبے ہیں دیکھا، ہر شخص ڈرا ہوا تھا۔ کوئی بھی سردار سے لڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ وہ چپکے سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور سردار جی مونچھوں پر تاؤ دیتے رہے اور اپنی جگہ پر لیٹے رہے۔

ڈبے ہیں کھڑا ہوا وہ اس بات کو بالکل بھول گیا کہ وہ اپنی بدصورت بیوی کو گھر چھوڑ کے ہر دوار کی طرف جا رہا تھا۔ جب تپاجی کو معلوم ہوگا تو وہ کیا سوچیں گے؟ ماں تو رو رو کر اپنا برا حال کر لے گی۔ اس کی بیوی کے

نقش اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ یہ کیسی صورت تھی۔؟ کیا دلہن اس قسم کی ہوتی ہے۔؟ کالا سیاہ چہرہ۔ منھ پر چیچک کے داغ۔ چھوٹا سا ماتھا۔ موٹی ناک، اور پھر ایک آنکھ سے بھینگی۔ ایسی صورت کو دیکھ کر وہ کیسے نہ بھاگتا؟ اس قسم کے چہرے کو وہ کیسے پسند کرتا۔؟ اس کے والدین نے کیا کیا؟ کیا وہ اپنے بیٹے سے انتقام لینا چاہتے تھے؟ کیا شادی اسی کو کہتے ہیں۔ یہی کچھ سوچتے ہوئے وقت گذرتا گیا اور دوسرے دن ہرسکھ ہردوار پہنچ گیا۔

ہردوار دراصل سادھوؤں، سنتوں۔ اور بھگتی کرنے والوں کا تیرتھ ہے۔ سارے ہندوستان سے لوگ یہاں آتے ہیں۔ زندگی سے بیزار ہوکر ——— اکتائے ہوئے یہ لوگ ہردوار کا رخ کرتے ہیں۔ یہاں زیادہ تر۔ بیوہ عورتیں۔ اور بوڑھی مائیں نظر آئیں گی۔ چند لوگ ایسے بھی آتے ہیں۔ جنہیں واقعی دولت، شہرت اور لوبھ سے نفرت ہوجاتی ہے۔ وہ انسان کی کمینی حرکتوں سے تنگ آکر اس تیرتھ استھان میں پناہ لیتے ہیں۔ اور اپنی باقی ماندہ زندگی پرماتما کو پانے میں صرف کرتے ہیں۔ تاکہ من کو شانتی

نصیب ہو۔

ہرسکھ کے لئے یہ تجربہ نیا تھا۔ وہ تو گیان دھیان کی تلاش میں نہ آیا تھا۔.......... ذرا سا چین مل جائے۔ ہاں گنگا کا نرمل پانی دیکھ کر اسے راحت ملی۔ وہ دیر تک ادھر اُدھر چکر کاٹتا ہوا گنگا کے کنارے بیٹھا رہا۔ اور اپنے پاؤں گنگا کے شفاف پانی سے دھوتا رہا۔

گنگا کے کنارے بے شمار سادھو دھونی رمائے بیٹھے تھے۔ جٹا دھاری سادھو زمین میں چمٹا گاڑے ہوئے پرماتما کی یاد میں مگن تھے۔ آنکھیں بند کئے ہوئے۔ چہرے اور جسم پر بھبھوت مل کر۔ پیشانی، گردن اور پیٹھ پر لمبے لمبے تلک لگا کر، لنگوٹی باندھے ہوئے، پرماتما کی یاد میں مصروف و مشغول تھے۔

کئی سادھوؤں نے لمبے لمبے کرتے پہنے ہوئے تھے۔ یہیں پر ہرسکھ نے بوڑھی عورتوں کو دیکھا۔ جو ایک سفید ساڑی پہن کر ہونٹوں پر کپڑا لگائے ہوئے ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ کئی نوجوان لڑکیاں بھی دیکھیں۔ جنہوں نے سر منڈوائے ہوئے تھے، اور ہردوار کے مختلف آشرموں

میں رہتی تھیں۔ انہیں بال ودھوا کہا جاتا ہے۔ انہیں کس جرم کی سزا دی گئی تھی۔؟ کہ اس چھوٹی سی عمر میں زندگی کی ہر خوشی سے محروم کر دیا گیا۔ پرماتما کو یاد کر کے یہ لڑکیاں کیا کریں گی۔؟

ہرسکھ کے دماغ میں بے شمار سوالات ابھر رہے تھے۔ وہ اس چھوٹی سی عمر میں ان بڑے بڑے سوالوں کا کیا جواب دیتا۔؟ وہ خود گھر سے بھاگا تھا۔

اور سوچ رہا تھا کہ آگے کیا ہوگا۔؟ کہ اتنے میں ایک پنڈت جی جھومتے ہوئے ملے۔

اور بولے۔

"کیا بات ہے بیٹا؟ تم اداس سے نظر آتے ہو۔؟"

ہرسکھ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"صاف صاف کیوں نہیں بتاتے؟ کیا تیرا باپ مرا ہے۔؟"

یہ فقرہ سن کر ہرسکھ بھونچکا سا رہ گیا۔

"اگر باپ نہیں مرا تو ماں مر گئی ہوگی۔؟"

"نہ باپ مرا ہے نہ ماں، گورو دیو؟"

" تو بہن مری ہو گی ؟"

" بہن بھی نہیں مری۔"

" تو بھائی ضرور مرا ہوگا۔ ؟"

" جی نہیں۔"

" تو پھر تیرا تایا مرا ہوگا۔ ؟"

" پنڈت جی ! ابھی تک پرماتما کی کرپا سے سبھی زندہ ہیں۔"

" پھر کوئی رشتہ دار ضرور مرے گا۔"

" کیوں پنڈت جی کیا ہردوار میں وہی لوگ آتے ہیں۔ جن کا کوئی رشتہ دار مرتا ہے۔ ؟"

" ہاں بیٹیا ! یہیں پر مرنے والوں کی ہڈیوں اور راکھ کو گنگا کی نذر کیا جاتا ہے۔"

" ہاں بیٹیا ! اگر لوگ مریں نہیں تو ہم لوگ کیسے زندہ رہیں۔ ؟"

" آپ کیا دھندا کرتے ہیں پنڈت جی۔ ؟"

" مرنے والوں کا کلیان کرتے ہیں۔ زندہ لوگوں سے دان لیتے ہیں۔ اس طرح گیان دھیان کی باتیں کرتے ہیں۔

........جیسے بیٹا۔ یہ بتا کیا تو جاننا چاہتا ہے کہ تو پچھلے جنم میں کیا تھا ؟ اور مرنے کے بعد تو کہاں پیدا ہوگا ؟ کس کے گھر پیدا ہوگا۔ ؟ اور کیا کرے گا۔"

ہرسکھ آگے ہی جلا بھنا بیٹھا تھا۔ پنڈت جی کی باتیں سنکر وہ بھنا گیا۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ پنڈت جی سے صاف صاف کہہ دے کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس سے پہلے جنم میں میں گدھا تھا۔ اب بھی گدھا ہوں۔ اور اگلے جنم میں بھی گدھا رہوں گا۔

"پوچھ لو بیٹا جو کچھ پوچھنا ہے۔ اس سمے ہمارا دماغ کام کر رہا ہے۔"

"پنڈت جی آپ کو کیا چاہیئے۔ ؟"

"بیٹا ہمارے گورو نے ہم سے کہا تھا کہ خالی ہاتھ کبھی واپس نہ جانا۔ اس لئے بیٹا میں خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا۔

ہرسکھ نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر پنڈت جی کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

روپیہ لیکر پنڈت جی بولے۔

" ہماری طرح تمہاری مالی حالت بھی اچھی نظر نہیں آتی۔ خیر۔۔۔۔۔۔۔ کوئی بات نہیں ـــــ پرماتما تیرا کلیان کرے گا۔"

" اس وقت تو آپ کا کلیان ہوا ہے پنڈت جی۔ میرا جب کلیان ہوگا تب دیکھا جائے گا۔"

پنڈت جی چپکے سے آگے بڑھ گئے۔

ابھی یہ صاحب نظر سے اوجھل ہی ہوئے تھے کہ ایک جوتشی جی آدھمکے۔

" بچہ !"

" جی مہاراج ؟"

" تیرا مستک کہتا ہے کہ تو اگلے جنم میں کسی راجہ کے یہاں پیدا ہوگا۔"

" اگلے جنم میں تو مہاراج ! راجے مہاراجے نہیں رہیں گے۔"

" ارے راجے مہاراجے نہیں رہیں گے تو کسی فیکٹری کے مالک کے یہاں پیدا ہوگا۔ کیا یہ لوگ کسی راجے مہاراجے سے کم ہیں ؛ میرا مطلب ہے کہ کسی دھن والے کے

یہاں ۔"

"کیا کہا ! کسی پہلوان کے یہاں ۔ ؟"

"ارے پہلوان کے گھر نہیں، مل مالک کے گھر۔"

"اچھا جوتشی جی ۔ ! آپ کے منھ میں گھی شکر ۔ پہلے یہ بتائیے کہ میری شادی کب ہوگی ۔ ؟"

اس نے فوراً ہرسکھ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہاتھ کی ریکھائیں دیکھنے لگا ۔

"ہوگی اور ضرور ہوگی ۔"

"شادی کب ہوگی مہاراج ؟"

"بس ایک دو سال کے اندر اندر چکر چلنے والا ہے بٹیا ۔"

"لڑکی کیسی ہوگی مہاراج ؟"

"سُندر ! اتی سُندر !! چندرما جیسی بٹیا ــــ معلوم پڑتا ہے کہ تمہاری قسمت شادی کے بعد چمکے گی .. .. بس لکشمی کے آتے ہی گھر میں ریل پیل ہو جائیگی ۔ ــــ جوڑی لاجواب ہوگی .... تم دونوں کی خوب نبھے گی ــــ کچھ اور پوچھ لے بٹیا ۔ ؟"

"جوتشی جی دولت کب قدم چومے گی - ؟"

"جوتشی نے پھر آنکھیں پھاڑ کر ریکھاؤں کی طرف دیکھا -

"لکشمی اس وقت قدم چومے گی بٹیا. جب تیری عمر تیس برس کی ہو گی - اس وقت تو لاکھوں کا مالک ہو گا - کوئی مائی کا لال تیرے آگے نہ ٹھہر سکے گا - اور جتنا سکھ تو اپنے ماں باپ کو دیگا - شاید کوئی بٹیا اپنے باپ کو دے سکے - !

" استری کا سکھ میری قسمت میں ہے جوتشی جی - ؟"

" تمہارا نام کیا ہے بٹیا ؟"

" ہرسکھ پنڈت جی - "

" پرماتما تمہیں سکھی رکھے - جس کا نام ہرسکھ ! وہ کسی کو کیا دکھ دے گا - تم پر بھگوان کی دیا ہے - اور تمہاری استری تمہیں بہت سکھ دے گی ، زندگی بھر تیری سیوا کرے گی ـــــ تو راج کرے گا . . . . لے بٹیا . . . . . .

ہم نے تمہیں خوش کر دیا ، تو ہمیں خوش کر دے ؟"

ہرسکھ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر روپیہ نکالا اور جوتشی جی کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"بس ایک روپیہ ؟"

"جوتشی جی میں بہت غریب ہوں۔"

"ارے ہم نے تمہیں لکھ پتی بنا دیا۔ تم ہمیں ایک ہی روپیہ دیکر ٹرخا رہے ہو۔ ؟"

"پنڈت جی میں گھر سے بھاگ کر آیا ہوں۔"

"تو کیا ہوا بیٹے ؟ میں بھی گھر سے بھاگ کر آیا ہوں۔ جو کچھ کماتا ہوں، اس کا کچھ حصہ اپنے لئے رکھ لیتا ہوں۔ باقی گھر بھیج دیتا ہوں ــــــ یوں بچہ پوری دنیا اپنا گھر ہے.......کبھی یہاں۔ کبھی وہاں ــــــ بچے ایک روپیہ اور نکال ! تیرا کلیان ہو جائے گا۔"

یہ کہتے ہی پنڈت جی نے ہاتھ آگے کر دیا۔ اور مجبوراً ہرسکھ کو ایک روپیہ دینا پڑا۔

اس قسم کے لوگوں سے ہرسکھ کی مٹھ بھیڑ ہو رہی تھی۔ ادھر اُدھر گھومتے پھرتے اس نے سوچا کہ وہ کسی گرو کا چیلا بن جائے۔ تاکہ باقی ماندہ زندگی ہردوار میں بیت جائے۔

وہ ایک مندر کے سامنے کھڑا ہو کے سوچ رہا تھا کہ ایک
گرو جی اپنے چیلوں کے ساتھ اندر گئے۔

اس گرو کو دیکھ کر ہرسکھ نے فیصلہ کر لیا کہ اس
گرو کی شرن میں رہ کر اپنی باقی ماندہ زندگی گذار دی جائے۔

عجیب قسم کا نور تھا اس کے چہرے پر ——
موٹی موٹی ذہین آنکھیں .... گورا گورا رنگ ......
اور لبوں پر ایک روحانی مسکراہٹ تھی۔

ہرسکھ نے چپل اتار دی اور سیدھا اندر گیا۔ ایک
کونے میں گرو جی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہرسکھ نے گرو جی کے پاؤں
پکڑ لیے اور کہا۔

"مہاراج! بس مجھے اپنا چیلا بنا لیجیے۔"

مہاراج ایک لمحہ کے لیے خاموش رہے ——
پھر سر پہ ہاتھ پھیر کر بولے۔

"اچھا ہماری آشیرواد لو۔ اور آج سے تم ہمارے
شش ہو۔"

بھگتی کے سوا یہاں اور کوئی کام نہ تھا ——
دن رات پرماتما کو یاد کرتے رہو .... اور دو وقت
پیٹ بھر کے کھانا کھاؤ!
دو تین دن تو ایسے گذر گئے۔ مگر اس کے بعد وقت گذارنا
مشکل ہو گیا —— وہ سوچنے لگا .... اب کیا کیا
جائے؟ یہ سادھو سارا دن بھگتی کیسے کرتے رہتے ہیں؟
کیا ان کا من ایک ہی کام سے نہیں اکتاتا۔؟ بس دن
بھر مالا پھیرتے رہو۔ اس کے بعد کیا کرو؟ یہ سادھو
اور کیا کرتے ہیں؟

ہرسکھ نے جوگیا کپڑے پہن لئے اور سادھوؤں کی ٹولی میں شامل ہو گیا۔ جب چند دن گذرے تو اُسے معلوم ہوا کہ زیادہ تر سادھو جاہل اور ان پڑھ تھے۔ جو صبح اٹھ کر گنگا میں نہاتے اور پھر واپس آ کر باقاعدہ بھبھوت ملتے ــــــ یہ بھبھوت ملنے کا کام عورتوں کے ہارسنگھار سے کم نہ تھا۔ اس میں اتنا ہی وقت صرف ہوتا ہے جتنا عورتیں اپنے آپ کو زیبائے سنوارنے میں لگاتی ہیں۔

عورتیں اس لئے سنگھار کرتی ہیں کہ مردوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں۔ اور یہ سادھو اس لئے بھبھوت ملتے ہیں تاکہ باقی لوگوں سے وہ مختلف نظر آئیں۔ آئینے کو سامنے رکھ کر وہ باقاعدہ بھبھوت سے میک اپ کرتے۔

رات کو یہ سادھو لوگ گانجہ، چرس۔ یا شراب پیتے تاکہ نشہ کی حالت میں اچھی طرح وقت کٹ جائے....

.......اسے خود تو چرس یا شراب پینے کی عادت نہ پڑی۔ لیکن سادھوؤں کے ساتھ رہ کر اسے علم ہو گیا کہ اگر وہ کچھ عرصہ یہاں گذارنا چاہتا ہے تو ان سادھوؤں کو خوش رکھنا ہوگا۔ جو کام کہتے وہ کرتا۔ اس نئے چیلے سے تقریباً

سب سادھو خوش تھے۔ بہت سے سادھو بھنگ پینے کے شوقین تھے .... سورج نکلتے ہی بھنگ کو صاف ستھرے پتھر پر باریک پیسا جاتا۔ اتنا باریک پیستے کہ اس میں سے لیس نکلنے لگتا۔ پھر خالص دودھ منگوا کر اس بھنگ کو اس میں گھول دیتے۔ کبھی کبھار بھنگ پیتے ہوئے اس میں بادام پستہ اور چھوارے ڈالے جاتے۔ بھنگ کے گلاس کے گلاس چڑھا کر یہ سادھو پیٹ بھر کے مٹھائیاں کھاتے۔ پوری کچوری اور دیگر لوازمات سے اپنا پیٹ بھرتے۔ اور کئی سادھو تو بلند آواز میں گیت گانے لگتے۔ کئی ناچتے اور کئی سادھو نشہ کی حالت میں عشقیہ شعر پڑھتے۔ عورتوں کا ذکر کرتے ــــــ اس وقت ان کی دبی ہوئی تمنائیں جاگ اٹھتیں۔ ان کے دل و دماغ سے پرماتما کا ڈر نکل جاتا۔ ساری ساری رات وہ چیختے چلاتے رہتے۔

انہیں دنوں ہر سکھ کی ایک ایسے سادھو سے ملاقات ہوئی۔ جو بمبئی سے بھاگ کر آیا تھا۔ بچارے نے گذری ہوئی زندگی کی داستان سنائی، تو لا محالہ ہر سکھ رائے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگا۔

"گرودیو! بڑا ہی بے غیرت شہر ہے۔ جب میں سوٹ پہنے ہوئے بوری بندر اسٹیشن پر اترا تو وہیں ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی۔ جو دیکھنے میں کافی خوش شکل نظر آتا تھا۔ اس نے نہ جانے یہ کیسے پہچان لیا کہ میں فلموں میں کام کرنے کے لئے اس شہر میں آیا ہوں۔ اس کی باتوں سے چالاکی اور عیّاری نہ ٹپکتی تھی۔ بلکہ بڑا ہی بھولا، شریف اور مسکین نظر آتا تھا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اس کے بعد اس نے مجھے دو تین پروڈیوسروں سے ملایا۔ جنہوں نے اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ اپنی فلموں میں ضرور کام دیں گے۔ اس دوران میں اس مسکین اور شریف آدمی نے مجھ سے روپے مانگنے شروع کئے۔ کبھی کہتا کمرے کا کرایہ ادا کرنا ہے۔ کبھی کہتا دھوبی کا بل چکانا ہے۔ کبھی کہتا آپ کے فل سائز کے فوٹو کھنچوانے ہیں۔ کبھی کہتا کہ آپ کے کپڑے تو بڑے نفیس ہیں۔ مجھے بھی ایک سوٹ سلوا دیجئے ——! بس کام کی فکر نہ کیجئے! جو کچھ آپ دے رہے ہیں۔ اُسے تو اُدھار سمجھئے —— ! کام ملتے ہی روپے واپس کر دوں گا۔ میں بھی چھوٹے چھوٹے رول کرتا ہوں، ماشاءاللہ آپ کا مستقبل تو بے حد شاندار ہے .... جو متی

ایک کانٹریکٹ ملا کہ وارے نیارے ہو جائیں گے۔ آپ کو دیکھتے ہی لوگ ہیسرو نباد یں گے۔ آپ کی آواز میں کھرج ہے۔ چہرے کے نقش تو ایسے ہیں کہ دلیپ اور راج پانی بھرنے لگیں۔ ایک دو برس میں آپ کا ستارہ بامِ عروج پر ہو گا۔ بس گرودیو۔ میں اس کی باتوں میں ایسا آیا کہ اپنی ساری پونجی لٹا دی۔ جب میری جیب خالی دیکھی تو ایک ہفتہ تک گھر سے غائب رہا۔ اس عرصہ میں مالک مکان نے کرایہ مانگا۔ میں نے اگلے دن کا وعدہ کیا اور دوسرے دن کمرہ چھوڑ کر فٹ پاتھ پر آگیا ــــ گھر سے بھاگ کر آیا تھا۔ اور اپنی ماتا جی کے ٹرنک کا تالا توڑ کر روپے لایا تھا۔ گھر جانا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ چار پانچ دن فٹ پاتھ پر سویا۔ داڑھی بڑھ گئی۔ فاقے لگنے لگے۔ بس دل میں یہ بات آئی۔ چلو ہر دوار، بمبئی سے بھاگ کر سادھو بن گیا۔ اس نے اپنی جیب سے مدھو بالا کی تصویر نکالی اور چوم کر کہنے لگا۔

"بس اسی کی پوجا کرتا ہوں۔ آنکھوں کے سامنے اس کافر ادا حسینہ کی تصویر ناچتی رہتی ہے۔ گرودیو۔"

اسی طرح کوئی نہ کوئی سادھو، کوئی الٹا سیدھا کام کر

کے گھر سے بھاگا تھا - اور اس نگری میں آکر پناہ لی تھی ۔ شاید ان میں سے ایک بھی سادھو ایسا نہ تھا ۔ جس نے واقعی پرماتما کو پانے کے لئے گھر کو چھوڑا ہو ۔

ہرسکھ رائے نے ان تمام سادھوؤں کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ تو لگا لیا کہ اس نگری میں دل کا چین تو نہیں مل سکتا ـــــــ ہرسکھ نے سوچا گرو جی سے مل کر اپنے دل کی بات کہی جائے ۔ اس دوران میں گرو جی نے ہرسکھ کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا تھا .... کہ اس چیلے کا بھگوان کی بھگتی میں دل نہیں لگتا ـــــــ یوں تو کسی چیلے کا بھگوان کی بھگتی میں دل نہیں لگتا تھا - بلکہ زبردستی لگانا پڑتا تھا ۔

گرو جی نے فوراً بھانپ لیا کہ یہ کمبخت بھگوان کا نام لیتا ہی نہیں ۔ ماتھے پر چندن کا ٹیکہ نہیں لگاتا ۔ کرمنڈل کو چھوتا تک نہیں ۔ ہرے رام اور ہرے کرشن کا نام نہیں جپتا ۔ ـــــــ گانجھا اور چرس نہیں پیتا ۔ عورتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا ۔ فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتا ۔ سب دن رات دوسروں کی خدمت کرتا رہتا ہے ۔ ہردوار میں اس قسم کے سمجھدار اور سنجیدہ سادھوؤں کا کیا کام ؟

گرو جی ذہین تھے، وہ اس نوجوان کی خطرناک حد تک سدھری ہوئی عادتوں سے کچھ جو کتے سے ہو گئے۔ انہوں نے ایک شام، جب ان کے سب چیلے چرس پی کر بے سدھ پڑے تھے۔ انہوں نے ہرسکھ کو بلا کر پوچھا :۔

" بٹیا تم گھر سے بھاگ کر کیوں آ گئے۔؟"

"گرو جی مجھے یہ دنیا بالکل پسند نہیں۔"

"کیا بات ہے بچہ۔؟"

"مجھے اپنی بیوی سے سخت نفرت ہے گرو جی!"

" اس چھوٹی سی عمر میں تم نے شادی بھی کر لی۔؟"

" جی نہیں ـــــ! کر دی گئی مہاراج!!"

" تمہیں اپنی بیوی کو چھوڑ کر ادھر نہیں آنا چاہیے تھا بچہ۔!"

"کیا کروں گرو جی؟ بس اپنا من نہیں لگتا۔"

" تم نے بہت برا کیا۔ یہاں میرے جتنے چیلے ہیں۔ ان میں کسی کی شادی نہیں ہوئی اور نہ ہو گی ـــــ اس وجہ سے وہ بے چارے میرے شرن میں آئے۔ ان میں سے کسی کو کوئی کام نہیں آتا...... تم شادی کر کے گھر سے بھاگے ہو ـــــ؟

بہت سے لوگ شادی کرنے کے لئے گھر سے بھاگتے ہیں۔

"اگر تم واقعی مجھے گرو مانتے ہو اور میری عزت کرتے ہو ! تو بچہ جی .... جو کچھ میں کہتا ہوں وہی کرو !"

"آپ کی جو آگیا ہو گی، اس کا پالن کروں گا مہاراج۔"

"بچہ گیروے کپڑے اتار کر اپنی اصلی قمیص اور پاجامہ پہن لو ـــــــ اور سیدھے گھر واپس چلے جاؤ ......!

ہر دوار میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں !!

کیا میں نے کوئی اپرادھ کیا ہے مہاراج۔؟

تمہارا سب سے بڑا اپرادھ یہی ہے کہ تم نے میرے چیلوں کی ضرورت سے زیادہ سیوا کی۔ اور ساتھ ہی تم نے میرے چیلوں کو اپاہج بنا دیا۔ اپاہج تو وہ پہلے ہی تھے ...... تمہارے آنے سے پہلے وہ گانجا اور چرس بازار سے خرید کر لاتے تھے۔ اب بیچاروں میں اتنی سکت نہیں رہی کہ اس نیک کام کے لئے بازار جا سکیں ـــــــ میں تمہیں نیک صلاح دیتا ہوں کہ ان بے وقوف سادھوؤں کی سیوا کرنے کے بجائے اپنی بدصورت بیوی کی سیوا کرو۔!

تمہاری بیوی ہر لحاظ سے ان سادھوؤں سے

بہتر ثابت ہو گی۔ ابھی چلے جاؤ اور میری آشیر واد قبول کرو۔! پرماتما تمہارا کلیان کریگا۔

یوں بھی ہر سکھ پر یہ بات عیاں ہو گئی تھی کہ من کہ شانتی یہاں بھی نہیں ملے گی۔ جتنے خلوص اور ایثار سے وہ ان جاہل گنوار اور بدصورت سادھوؤں کی خدمت کر رہا تھا۔........اگر اپنی بدصورت بیوی کی سیوا کرتا تو یقیناً خاطر خواہ نتیجہ بر آمد ہوتا ——— پھر اسے یہاں رہ کر کچھ حاصل نہ ہو گا۔ گرو جی کی بانی کو وہ آکاش بانی سمجھ کر وہ سیدھا روانہ ہوا۔
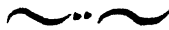
ہرسکھ کے چلے جانے کے بعد گلشن اور اس کی بیوی کے درمیان اکثر لڑائی جھگڑا رہتا۔

"میں تم سے کہتی تھی کہ شادی سے پہلے لڑکی دیکھ لو!"

"کیا تمہیں بچپن کا وعدہ یاد نہیں۔؟"

"اپنے وعدوں کی خاطر دوسروں کی زندگی برباد نہیں کی جاتی۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ ہرسکھ اس قسم کی حرکت کر گیا۔"

"نہ جانے اس وقت میرا بیٹا کہاں ہوگا۔؟" بیوی نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"عورتوں کو سوائے رونے کے اور کچھ نہیں آتا۔"

"میں روتی اس لئے ہوں کہ میرا جوان بیٹا گھر سے رُٹھ کر چلا گیا ہے۔ اگر اس نے خودکشی کر لی تو۔؟"

"وہ خودکشی نہیں کرے گا۔"

"اگر وہ ساری عمر واپس نہ آیا تو۔؟"

"سن ہرسکھ کی ماں! تیرا بیٹا واپس آئے گا۔ اور ضرور آئے گا۔

"اگر وہ واپس نہ آیا تو میں آتم ہتّیا کر لوں گی۔"

"ہاں ہاں کر لو۔! آتم ہتّیا۔" گلشن نے جل کر کہا۔

"ایک تو کالی کلوٹی سی بہو گھر لے آئے اور اوپر سے ڈانٹ ڈپٹ الگ۔"

"اونچی آواز میں بات نہ کر بہو سن لے گی۔"

"سن لے! اچھی طرح سن لے!! تمہیں تو اس کالی کلوٹی بہو کی فکر ہے۔ اپنے بیٹے کا تو کچھ خیال تک نہیں؟"

"ذرا سوچ تو سہی اس بے چاری کا کیا قصور؟"

"قصور تو میرا ہے جو اس ڈائن کے ساتھ بیں لے

اپنے بیٹے کی شادی کی۔ جس کی صورت دیکھتے ہی گلی کے لڑکے
بھاگ جاتے ہیں۔ اور تم نے ساری عمر کے لئے میرے بیٹے
کے گلے میں پھانسی کا پھندا باندھ دیا۔ وہ گھر سے نہ بھاگتا
تو کیا کرتا۔ ؛

کم سے کم کسی اخبار میں اشتہار تو دیدو !
" اس میں لکھو کہ تیری ماں سخت بیمار ہے۔ پڑھتے
ہی وہ چلا آئے گا۔ تم تو مزے سے دو وقت کھانا کھاتے ہو۔
اور میرے بیٹے کو ایک وقت بھی کھانا نہ ملتا ہوگا۔"
اس قسم کے جھگڑے تقریباً ہر روز ہوتے۔ گلشن
نے اس دوران محسوس کیا کہ بیوی جب ماں بن جاتی ہے، تو وہ
اپنے بچوں کے لئے خاوند کو بھی نہیں بخشتی ــــــــ
ماں اور بیٹے کا رشتہ اٹوٹ ہوتا ہے۔ ماں اپنے بچوں کے
لئے سب کچھ کر گزرتی ہے۔ گلشن نے محسوس کر لیا اگر ہرسکھ
واپس نہ آیا تو ہرسکھ کی ماں واقعی پاگل ہو جائے گی۔
ہرسکھ کی ماں اکثر کھڑکی میں کھڑی رہتی ذراسی
آہٹ سن کر دروازے پر آجاتی۔ اور پھر گھر سے نکل کر راستہ
میں کھڑی ہو جاتی۔ اور راہ گیروں کو دیکھتی رہتی۔ رات

کو اسے نیند نہ آتی ۔ اکثر خواب میں بڑبڑانے لگتی ۔ اور جب اس کی نیند کھلتی تو وہ زار و قطار رونے لگتی ۔ اس کے بیٹے اسے چپ کرانے کی کوشش کرتے مگر وہ روتی رہتی ۔ یہاں تک کہ روتے روتے صبح ہو جاتی ۔

گلشن نے اخباروں میں اشتہار دیا ـــــ تھا اس نے تھانے جاکر رپورٹ لکھوائی ۔ ابھی تک ہرسکھ کا پتہ نہ چلا تھا کہ وہ کہاں ہے ۔ ؟ کب آئے گا ؟ کیا وہ مر گیا یا زندہ ہے ۔ ؟

چند دن گذرنے کے بعد، ہرسکھ کی ماں نے کھانے پینے سے انکار کر دیا ۔ اور اپنے خاوند سے صاف صاف کہہ دیا ۔

" جب تک میرا لڑکا نہیں آئے گا ۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گی ۔ "

محلے کی عورتوں نے یہ خبر سنی ! تو ـــــ انہوں نے ہرسکھ کی ماں کو بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی ۔ لیکن ہر کوشش بیکار ثابت ہوئی ۔ گلشن نے لاکھ جتن کیے لیکن ہرسکھ کی ماں نے کھانے سے انکار کر دیا ۔

"اب تو مر کر دم لوں گی۔ اور اس گھر سے تیری آنکھوں کے سامنے میری لاش نکلے گی۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں زندہ رہوں تو مجھے میرے بیٹے کی صورت دکھا دو۔!"

"پہلے کھانا کھا لو ہرسکھ کی ماں! تمہارا بیٹا آ جائیگا۔" گلشن نے چڑ کر کہا۔

"میں نے کہہ دیا کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔!! نہیں کھاؤں گی۔!!!

بچارا گلشن کیا کرتا۔ وہ ہرسکھ کو کہاں سے لاتا؟ وہ اتنے بڑے دیش میں کہاں جائے پتہ لگانے۔؟ سارے گھر میں اداسی چھائی ہوئی تھی۔

کسی کا نہ کھانے کو جی چاہتا تھا۔ نہ پینے کو۔ نہ دن کو آرام تھا نہ رات کو چین گھر کے ہر فرد کی زندگی اجیرن ہو گئی۔

اس دوران میں گلشن کو ضرور اس بات کا احساس ہوا کہ اس نے زندگی میں بہت بڑی غلطی کی تھی کہ بیٹے سے پوچھے بغیر اس کی شادی ایک ایسی لڑکی سے کر دی جس کو ہرسکھ نے دیکھا بھی نہ تھا۔

جوان بیٹے سے صلاح مشورہ کرنا ضروری تھا۔

زمانے کا ساتھ دینا چاہیے .... اس نے صرف اپنے وعدے کا خیال رکھا، اور اپنے بیٹے کی زندگی برباد کردی۔ وہ دل ہی دل میں بہت کڑھ رہا تھا۔ جو کچھ ہو چکا تھا۔ اس کے بارے میں کیا ہو سکتا تھا - ؟ دن بدن ہرسکھ کی ماں کی طبیعت خراب ہو رہی تھی ۔ نقاہت اور کمزوری بڑھتی جا رہی تھی ۔ عورت کی ہٹ دھرمی دنیا میں مشہور ہے ۔

محلہ کی عورتوں نے ہرسکھ کی ماں کو بہت سمجھایا۔ لیکن وہ اب بھی یہی کہہ رہی تھی ۔

" میرے بیٹے کو بلاؤ ! جب تک وہ نہیں آئیگا !! میں کھانا نہیں کھاؤں گی ۔ !!!

اسی طرح دس دن گذر گئے ۔ ہرسکھ کی ماں اب کافی کمزور ہو گئی ۔ ان دس دنوں میں لگاتار فاقے کرنے سے، وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو گئی ۔ چہرے کی ہڈیاں ابھر آئیں ۔ آنکھیں اندر دھنس گئیں ۔ دن رات بستر پر لیٹی رہتی ۔ اور اپنے بیٹے کا نام جپتی رہتی ـــــــ گھر کیا تھا ایک ماتم کدہ تھا.....

.... گلشن سوچتا اب کیا کیا جائے ؟ ہرسکھ کو کس طرح واپس لاؤں ؟ اور کہاں سے لاؤں ؟ وہ کہاں چلا گیا ۔ ؟ واپس

کیوں نہیں آتا۔؟ اس کی ماں مرنے کے قریب تھی۔
دن کو ایک دو بار غش سی آئی۔ آج کی رات بڑی
المناک ہوگی۔ گلشن نے ہرسکھ کی ماں کی نبض دیکھی۔ بڑی آہستہ
چل رہی تھی۔ سبھی بیٹے چارپائی کے گرد جمع ہوگئے۔ اور
اپنی ماں کے چہرے کو دیکھنے لگے۔

"ماں .... ماں ......"
ہرسکھ کی ماں نے آنکھیں کھولیں۔
"ماں کچھ تو کھا لو۔"
"کیا میرا بیٹا آیا۔؟"
سب خاموش تھے۔
"تم بولتے کیوں نہیں۔؟ ہرسکھ آیا۔؟"
سب چپ تھے۔
"جب تک وہ نہیں آئے گا۔ میں کھانے کو ہاتھ
نہیں لگاؤں گی۔"

رات گذر رہی تھی ———— بڑی سیاہ کالی
رات تھی۔ آج آسمان پر چاند بھی نہ نظر آرہا تھا۔ چاروں
طرف اندھیرے کی یلغار تھی....... باہر بلیاں رو رہی

تھیں۔ اور ان کے رونے کی آواز سنکر، دلوں میں عجیب و غریب قسم کے خیالات ابھر رہے تھے۔

"کیا ہماری ماں مرجائے گی۔؟"

"کیا ہرسکھ ابھی نہیں آئے گا۔؟"

اس وقت یوں محسوس ہو رہا تھا کہ چاروں طرف موت اپنے جبڑے کھولے ہوئے اس گھر کی طرف آرہی تھی۔

ماں! ماں!! آج تو کچھ کھالے۔"

"ہاں ماں .... ہرسکھ صبح ضرور آئے گا۔"

"میرا دل کہتا ہے ماں تیرے بھیا صبح تک ضرور آجائیں گے۔"

"جب تک وہ نہیں آئے گا، میں نہیں کھاؤنگی کچھ بھی۔"

"ماں تو کمزور ہو گئی ہے نا۔؟"

"ہاں میرا جسم کمزور ہو گیا ہے۔ میرا دل کمزور نہیں بٹیا۔!"

"آخر ماں کب تک فاقے کرے گی۔؟"

"جب تک ہرسکھ نہیں آئے گا۔"

ماں۔۔۔۔۔۔۔۔ ماں۔۔۔۔۔۔۔ اگر تو مرگئی نا؟ تو
میں بھی تیرے ساتھ مرجاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔۔ مرلی نے ماں
سے لپٹ کر کہا۔

"میں مروں گی نہیں بیٹے! یقین رکھ!! مجھے پرماتما
پر پورا یقین ہے میں اپنے بیٹے کو دیکھ کر ہی مروں گی۔"

"نہیں ماں! ایسے شبد منھ سے نہ نکالو۔ تم نہیں
مروگی۔ نہیں مروگی۔!!"

"اچھا میں نہیں مروں گی۔ اب تم جاکے سو جاؤ۔
کافی رات ہو گئی۔"

"ہمیں نیند نہیں آتی ماں! ہم تمہاری چارپائی
کے قریب سو جائیں گے۔"

سب بیٹے ماں کی چارپائی کے چاروں طرف لیٹ
گئے —— ایک آہنی دیوار بن کر! تاکہ یم دوت آگے
بڑھ کر ان کی ماں کے پران نہ لے سکے۔۔۔۔۔۔۔ اپنے
بیٹوں کو اپنے قریب دیکھ کر ماں میں اتنی طاقت اور توانائی آگئی
کہ وہ موت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئی —— پھر
رات آہستہ آہستہ گذرنے لگی۔

اندھیرا روشنی میں تبدیل ہونے لگا۔
مشرق کی جانب سورج طلوع ہوا۔ باہر کسی نے دروازہ
کھٹکھٹایا۔

ماں چارپائی سے چلّائی۔
"مرلی دیکھ تو سہی۔ باہر کون ہے۔؟"
باہر سے آواز آئی۔
"ماں.........! ماں........!!"
"ماں میرا بیٹا ہرسکھ ہے ——— ہرسکھ آگیا۔"
دروازہ کھلا۔
ہرسکھ دوڑتا ہوا داخل ہوا۔
"ماں........ ماں.......!!"
ہرسکھ ماں کے کلیجے سے لگ گیا۔
"ماں یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے۔؟ اتنی کمزور ہوگئی
ہو........ اتنی لاغر...... جیسے تو برسوں سے بیمار ہے۔؟"
"بیٹے تم کہاں چلے گئے تھے؟ اپنی بوڑھی ماں کو چھوڑ
کر!" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔
بھیا........! بھیا.......!! سبھی بھائی

چلاکر ہرسکھ سے لپٹ گئے۔

" اگر آج تم نہ آتے تو ماں مرجاتی۔"

اتنے میں گلشن آیا اور ماں بیٹے کو اکٹھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

" اب تو سکھی ہو۔؟"

ہرسکھ نے باپ کے پاؤں چھوئے۔"

باپ اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگا۔

" ہرسکھ تم نے بڑا دکھ دیا۔ کہاں چلے گئے تھے بٹیا۔ بتاکر تو جاتے۔ تیرے جانے کے بعد سارا گھر بے رونق ہوگیا۔ اور تیری ماں نے مرنے کی ٹھان لی۔ کئی دنوں سے اس نے کھانا نہیں کھایا۔"

" اس نے کہاں کھانا کھایا ہوگا۔؟" ماں نے کمزور آواز میں کہا۔

" مجھے معلوم ہے۔ پردیس میں کیا ملتا ہے۔؟ گھر سے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔؟"

" ماں مجھ سے غلطی ہوگئی۔ معاف کردو نا۔!"

اسی وقت مرلی دوڑ کر بسکٹ اور دودھ کی پیالی

لے آیا ——— اور سب نے مل کر ماں کو بسکٹ اور دودھ پلایا۔ جب ہرسکھ کی ماں نے دودھ پی لیا تو گلشن ہرسکھ کو اپنے کمرے میں لے گیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی گلشن بولا۔

"تیری ماں کے سامنے تو میں چپ رہا۔ مگر اس وقت بتائے دیتا ہوں۔ کہ گھر سے یوں بھاگ کر تو نے اچھا نہیں کیا۔ ..... کیا ہوا تیری بیوی بدصورت ہے۔ کیا اس دنیا میں بدصورت عورتیں نہیں ہوتیں۔؟ کیا بدصورت عورتوں کو گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔؟ کیا میں بدصورت نہیں۔؟ اور تم کون سے یوسف ہو۔؟ تم نے کسی کے بارے میں نہ سوچا کہ تمہارے جانے کے بعد ہماری کیا حالت ہوگی؟ تمہارا باپ برادری میں منھ دکھانے کے قابل نہ رہے گا۔

کیا انسان، اس دنیا میں صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے؟ دوسروں کے بارے میں کچھ نہیں سوچتا؟ وہ لڑکی جو اپنے والدین اور اپنا گھر چھوڑ کر اس گھر میں آئی اس کے بارے میں تم نے کبھی کچھ نہ سوچا! وہ اس گھر میں اسی لئے آئی تھی کہ اسے اس گھر میں عزّت اور مان ملے گا؟ خوشی اور

مسرت ملے گی ؟

اسے تو سہاگ رات کو چھوڑ کے چلا گیا۔ یہ تو اچھا ہی ہوا شاردا نے خودکشی نہیں کی، اگر کر لیتی تو دنیا کیا کہتی ؟ لوگ تو یہی کہتے کہ یہ آدمی اچھے نہیں۔ وہ بچاری اس دنیا سے چل بسی۔

" بٹیا میں جانتا ہوں کہ تیری بیوی حسین نہیں لیکن تیری ماں بھی خوبصورت نہیں۔ میں بھی خوش شکل نہیں۔ ہم نے بھی اپنی زندگی گذار دی۔ ——— اچھی بری بھلی جیسی سہی .... بس گذار دی۔ ! "

" ہرسکھ کسی کو دکھ دینا اس دنیا میں بڑا پاپ ہے۔ جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ " گلشن نے اپنے لڑکے کو چھاتی سے لگا کر کہا۔

" اندر کمرے میں جاکر اپنی شاردا سے بھی معافی مانگ ! "

اور ہرسکھ رائے اندر گیا ——— اس کی بیوی ایک چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بات کرنے کی اس نے بڑی کوشش کی، مگر زبان

سے ایک لفظ نہ نکلا۔ ہاں یہ وہی چہرہ تھا۔ یہ وہی خد و خال تھے۔ وہی مکروہ اور بدوضع چہرہ۔ گول گول اور چپٹا چپٹا سا۔ کالی رنگت۔ چہرے پر چیچک کے داغ۔ سیاہ بالوں کا سیاہ جوڑا۔ ایسے لگتا تھا، جیسے گردن کے پیچھے مینڈک بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ اس بدصورت چہرے کو بھول [illegible] نقش قدم پر چلے۔ انسانیت کی شمع روشن [illegible] اور یہ سوچ کر شاردا کو اپنے [illegible] میری بیوی ہے۔

اس نے ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی۔ مگر باہوں میں طاقت نہ تھی۔ وہ سر جھکائے ہوئے کمرے سے باہر نکلا اور ماں باپ نے سمجھ لیا کہ میاں بیوی کے درمیان صلح ہو گئی ہے۔

دوسرے دن ہرسکھ نے اپنے والد سے کہا کہ وہ آگے پڑھنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اس شہر میں رہ کر تعلیم حاصل نہ کرے گا۔

باپ کی اجازت لیکر وہ دوسرے شہر میں گیا اور

آیورویدک کالج میں داخل ہو گیا۔

گرمی کی چھٹیوں میں گھر چلا جاتا ـــــ کبھی کبھی ایک اچٹتی سی نظر اپنی بیوی پر ڈالتا۔ اب اسے اس بات کا احساس ہو رہا تھا۔ کہ ان دونوں کے درمیان ایک دیوار سی ابھر رہی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو نہیں جانتے ...... دونوں ایک ہی شہر، ایک ہی گھر، ایک ہی جگہ مگر ایک دوسرے سے کتنے دور تھے؛ خاوند اور بیوی [illegible] ـــــ دو روحوں کا ملاپ ـــــ دو جسموں کا سنگم ! جس کے بغیر ازدواجی زندگی مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔ ایک ہی گھر میں رہ کر یہ دونوں ایک دوسرے سے کتنے اجنبی تھے ؟ اس نے کتنی بار چاہا۔ اس نفرت کی دیوار کو گرا دے .... مگر دیوار گرتی نظر نہ آتی۔ بلکہ اور مضبوط ہو رہی تھی۔

کئی بار رات کے اندھیرے میں جب جنسی جذبے نے خوب صورتی کی ہر تصویر کو اس کے ذہن سے ہٹا دیا۔ تو اس نے محسوس کیا۔

یہ جنسی جذبہ واقعی بڑا بے رحم اور وحشی جذبہ ہے۔

۔ ـــــ صدیوں کی تہذیب بھی اس جذبے کو مہذب نہ بنا سکی ۔

جس انسان سے اسے پیار نہیں ـــــ محبت نہیں ـــــ اس کے جسم کے قریب جانے کا اسے کیا حق ہے ؟ کتنی بڑی بد دیانتی ہے ۔ یہ ؟ اس حسین جذبے سے، کتنی بڑی بے وفائی ہے ۔ جس نے اس کے دل میں حسن کی شمع روشن کی تھی ۔

جب ہوا پھولوں کا منہ چومتی ہوئی آگے گذر جاتی ۔ تو اس کے سارے جسم میں ایک ارتعاش پیدا ہو جاتا ۔ اور شفق آسمان پر پھیل جاتی .... وہ اس پھیلی ہوئی شفق کو دیکھ کر خوش ہوتا تھا ـــــ جب صبح کے وقت درختوں کے پتوں پر شبنم کے قطرے موتیوں کی طرح کھلتے تو ان نگینوں کو دیکھ کر وہ خوشی اور مسرت سے اچھل پڑتا ۔

مگر اس وقت اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ جنسی جذبہ کتنا خطرناک وحشیانہ اور غیر مہذب ہے ۔ جیسے اسے اپنے آپ پر قابو نہیں ۔ جیسے خوب صورتی کا ہر نقش اس کے ذہن سے مٹتا جا رہا تھا ۔ جیسے اس کا اپنا کوئی دماغ نہیں ۔

اپنا کوئی ارادہ نہیں۔ اپنا جسم نہیں۔ بس ایک وحشی اندھا جذبہ ہے، جو اسے لے جا رہا ہے۔ جہاں وہ جانا نہیں چاہتا۔ اس نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کی۔ مگر ضبط کے بندھن ٹوٹ رہے تھے۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر کھڑا ہے۔ اور اس کے جنسی احساسات اور جذبات اس کے جسم کو خس خس کر کے اپنا راستہ بنا لیں گے۔

اس نے اپنے جسم کو اس جذبے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اور پھر گہری خندق ——— اندھیری رات ......

اور .... دو اجنبی جسم ——— اس تاریک رات میں ایک نئی تاریکی کا اضافہ کر رہے تھے۔

~~ .. ~~

چار سال گذرنے کے بعد ہرسکھ نے آیورویدک کالج سے وید کی ڈگری حاصل کر لی۔ اب وہ سند یافتہ وید تھا۔ ڈگری لے کر وہ اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ اس کا باپ اس کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھ کر کتنا خوش ہوا۔ چار برسوں کی سخت محنت اور مشقت کا صلہ تو ملا تھا؟ چار سال لگاتار اس کا باپ اپنی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے اپنے بیٹے کو روپے بھیجتا رہا۔ تاکہ بیٹا ڈگری لے کر اس کا ہاتھ بٹا سکے۔ ان چار برسوں میں اس کا باپ کتنا بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس کے سر کے سارے بال سفید ہو گئے، اور گال پچک گئے۔

وہ پہلے سے زیادہ خاموش رہنے لگا۔ اور اس کے والد کو
کس بات کا غم تھا ؟ ہرسکھ نے اپنے پتا کے روپے تو ضائع
نہیں کیئے —— ہاں اگر وہ فیل ہو جاتا تو اس کے باپ
کو پورا حق تھا کہ وہ اسے ڈانٹے ڈپٹے یا کوسے !

ان حالات کے تحت اس کا باپ سے کیا کہنا ؟ کیا
اس دنیا میں کسی کے پاس ایسی دوا ہے ؟ جس سے کسی کے قلبی
احساسات کو بدلا جا سکے۔ !

اس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ جو دیوار
ان دونوں کے درمیان تھی وہ ڈھے جائے۔ مگر ہر کوشش
رائیگاں ثابت ہو رہی تھی۔

بیوی کی ظاہری بدصورتی قابلِ قبول نہ تھی۔ سیرت
بھی اچھی ہوتی تو شاید زندگی کے دن اچھے کٹ جاتے ——
نہایت ہی موٹی بھدی آواز، جس میں رحم اور فراخ دلی نام
کو نہ تھی۔ بھینگی آنکھوں میں غم کا ایک آنسو نہ تھا۔ دل
میں نہ کسی کے لیئے درد تھا۔ اور نہ ہی ہمدردی۔

اسے صرف اپنی ذات سے محبت تھی۔ ان حالات
میں ہرسکھ رائے کا اپنی بیوی کے ساتھ رہنا بہت مشکل تھا۔

اس لئے جونہی اسے قریب کے ایک شہر کے ہسپتال میں نوکری ملی۔ وہ ماں باپ سے اجازت لے کر اس ہسپتال میں نوکر ہو گیا۔

دلّی سے یہ جگہ دور نہ تھی۔ چھوٹا سا شہر، جس میں آبادی اچھی خاصی تھی۔ خیراتی رام ہسپتال میں نوکر ہونے کے بعد، اسے اسی ہسپتال کی چہار دیواری میں رہنے کے لئے ایک کمرہ مل گیا۔ وہ رات بارہ بجے سے لیکر صبح کے چھ بجے تک ہسپتال میں ڈیوٹی دیتا۔ دن کو اپنے کمرے میں سوتا اور کھانا ایک ہوٹل میں کھاتا۔

وہ ہر ماہ اپنی تنخواہ کا زیادہ حصہ اپنے والدین کو بھیجتا۔ گھر والے اور اس کی بیوی اس سے بہت خوش تھے۔ اتنا شریف اور کماؤ بیٹا والدین کو کہاں مل سکتا تھا۔ ؟ اور بیوی اپنے باوفا شوہر سے بہت خوش تھی۔ چلئے اگر اور کچھ نہیں تو کم سے کم زندگی تو چین سے گذر رہی تھی۔ دو وقت کا کھانا مل جاتا ہے۔ کپڑے پہننے کے لئے اور سونے کے لئے ایک گھر ہے۔ اور کبھی کبھار شوہر گھر آتا ہے۔ زندگی کے دن گذر رہے ہیں۔ لیکن ہر سکھ کی زندگی بہت تلخ تھی۔ اب

تو اسے اپنے آپ سے نفرت سی ہوگئی تھی۔ ہسپتال میں گدھے کی طرح کام کرتا۔ جتنا بوجھ اس پر لادا جاتا۔ اسے برداشت کرنا پڑتا۔ دن رات بیمار دل، دوستوں اور واقف کاروں کا کام کرتا رہتا۔

مصروفیت کے باوجود اسے ایسے لمحہ ضرور مل جاتے جب وہ اپنے آپ کو کوستا۔ اپنے گندے کمرے پر نگاہ ڈالتا۔ جہاں حسن کی کوئی پرچھائیں نہ تھی۔ ایک ایک پرانی کرسی تھی۔ جس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ اور جس کے نیچے اس نے ایک اینٹ رکھ لی تھی۔ ایک ٹوٹا ہوا ٹرنک جس پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھیں۔ ایک چارپائی جس کی چولیں ڈھیلی ہوگئی تھیں۔ اور اس پر ہر سکھ رائے ہی سو سکتا تھا۔ کیونکہ جب ایک بار انسان اس چارپائی پر ایک بار لیٹ جاتا تو بالکل فرش سے ہمکنار ہو جاتا۔ ایک میلی سی صراحی تھی، جس میں پانی ٹھنڈا ہونے کے بجائے گرم ہو جاتا۔ دیواروں کا پلستر اکھڑ چکا تھا۔ جا بجا دیواروں پر موٹے موٹے سے دھبّے نظر آتے۔ دیوار پر ایک گندا سا کیلنڈر لٹکا ہوا تھا۔ اور میز پر ایک الٹا گلاس رکھا ہوا تھا۔ کمرے میں ایک چٹائی بھی

ہوئی تھی، جس کے کونے چوہے کھا گئے تھے قریب ہی حجامت کا سامان تھا۔ ایک دو استعمال شدہ بلیڈ۔ اور ایک چھوٹی سی تپائی سی ـــــ یہ کیسی بے ترتیبی تھی ۔؟

چاروں طرف ایک خوفناک سی ویرانی ٹپکتی تھی ہسپتال سے نکل کر وہ اپنے کمرے میں جاتا ۔ اس ہسپتال کا انچارج۔ ویدمانک لال تھا۔ مانک لال بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ صحت اتنی اچھی تھی کہ انہیں ٹانک لال کے نام سے پکارا جائے تو بہتر بات ہوگی۔ پھولے ہوئے سرخ رخساروں کو دیکھ کر چقندروں اور ٹماٹروں کا نقشہ ذہن میں آجاتا ۔ ورزش کرنا اور ساتھ ہی کھانے کا بہت شوق تھا ۔ صبح ہوتے وہ ایک لمبی سیر کو نکل جاتا پھر مالش کر کے ڈنڈ پیلنا۔ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا ۔ اور بڑا گلاس لسی کا پی جانا ۔ دن کو آٹھ دس پراٹھے کھا جاتا۔ چار بجے دودھ کا گلاس۔ رات کو پیٹ بھر کے کھانا اور خراٹے لیکر سونا اور اگلے دن پھر لمبی سیر۔

جب کبھی ہرسکھ مانک لال کے کمرے میں آتا تو مانک لال ادھر اُدھر دیکھ کر کہتا ـــــ "اس وقت مریض کوئی نہیں ہرسکھ! آؤ پنجہ لڑائیں !"

اور ہرسکھ رائے اپنا ہاتھ آگے کر دیتا اور مانک لال اس کا ہاتھ پکڑ کر اتنے زور سے دباتا کہ ہرسکھ کی چیخ نکل جاتی۔ پھر مانک لال زور کا قہقہہ لگاتا۔ اور کہتا۔

"کچھ کھایا کرو۔! تم تو دن بدن دبلے ہو رہے ہو۔ کیا ورزش نہیں کرتے۔؟"

"جی نہیں!"

"جبھی رنگ پیلا پڑ گیا ہے تمہارا۔ تم میرے ساتھ سیر کرنے کیوں نہیں چلتے صبح۔؟"

"آپ صبح کتنے بجے اٹھتے ہیں۔؟"

"پانچ بجے۔!"

"صبح کے چھے بجے تک تو میری ڈیوٹی ہسپتال میں ہوتی ہے۔"

"ارے یار۔ جبھی تم صبح سیر کرنے نہیں جاسکتے۔ سویرے سویرے ہوا خوب چلتی ہے۔"

"چلتی ہوگی۔" ہرسکھ نے چڑ کر جواب دیا۔

"راستے میں بہت سے جانور ملتے ہیں۔"

"ملتے ہوں گے۔" آپ بھی جانوروں سے کم نہیں۔

یہ بات ہر سکھ رائے نے اپنے آپ سے کی۔

"بس لطف آجاتا ہے۔ پانچ چھ میل پیدل چلتا ہوں۔ پھر ایک دو میل کی دوڑ لگاتا ہوں۔ دن بھر سستی قریب نہیں آتی۔ بتاؤ میری عمر کیا ہوگی۔ ؟"

"پچیس چھبیس برس۔ !"

"ہانک لال نے پھر زوردار قہقہہ لگایا۔ چھیالیس برس میری عمر ہے برخوردار !"

"ارے صاحب آپ کی صحت کا جواب نہیں۔ اس پورے علاقہ میں آپ ہی واحد آدمی ہیں۔ جس کے گال ٹماٹر کی طرح سرخ ہیں۔"

یہ سن کر وید ہانک لال بے حد خوش ہو جاتا۔ ان کی صحت کی تعریف کر دو تو وہ سمجھتا جیسے قارون کا خزانہ مل گیا۔ اس لئے جہاں تک مریضوں کے علاج کا تعلق تھا۔ زیادہ تر وہ ورزش کرنے کا مشورہ دیتا۔

"بس بیٹیا صبح کے وقت سیر کرنے نکل جاؤ، ہر تکلیف رفع ہو جائے گی ہاضمہ کو ٹھیک کرنے کا ایک اور نسخہ بتاتا ہوں .... صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے

ننگے پاؤں گھاس پر چلا کرو۔ !"

" اس سے کیا فائدہ وید جی۔ ؟"

" اجی پیٹ کی ساری گرمی، پاؤں کے ذریعے نکل جائے گی۔ جگر یوں کام کرے گا جیسے سلائی کی مشین کھٹا کھٹ چلتی ہے۔ کر کے تو دیکھ بٹیا ! زندگی بھر میں نے آج تک دوا نہیں کھائی اور نہ ہی تیری سبھا بی کو کھانے دی۔ اجی صاحب دواؤں سے کوئی ٹھیک ہوتا ہے۔ ؟ یہ تو مریضوں سے محض پیسے اینٹھنے کی ترکیب ہے۔ جبھی تو ہم دوا مفت دیتے ہیں۔"

بچارا مریض اپنا سا منھ لے کر چلا جاتا ہے۔

جہاں مانک لال بیٹھتا تھا، اس کے ساتھ ہی ایک اور کمرہ تھا۔ اس کمرے میں اکثر وہ آسن لگا کر بتاتا۔ تقریباً ہر بیماری کا علاج آسنوں کے ذریعہ کرتا۔

ایک دو بیمار جو ذرا عمر کے پکے تھے انہوں نے مانک لال جی کے بتائے ہوئے آسنوں کو اپنایا۔ ایک دو کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ بچارے سیدھے آپریشن کرانے کے بعد اگلے جہاں پہنچ گئے۔ جب یہ خبر مانک لال کو ملی تو وہ

فرمانے لگے۔

" غلط آسن لگایا ہوگا۔ "

اس بھلے مانس سے کوئی پوچھے آپ تو اچھے خاصے پہلوان ہیں۔ بچارے مریضوں کو الٹے سیدھے آسن بتا کر کیوں اگلے جہاں بھیج رہے ہو۔؟

سمجھانے کے باوجود بھی وید مانک لال کا شغلہ جاری رہا۔ کم سے کم آبادی کو کم کرنے کے سلسلہ میں ان کی خدمات کو سراہنا پڑیگا۔ اگر انہیں پدم شری کا خطاب مل جائے تو یقیناً وہ اپنی خدمات کی رفتار اور تیز کر دیں گے۔

~..~
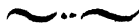
جب ہرسکھ کا اپنے کمرے سے جی اکتا جاتا تو وہ وید مانک لال کے کمرے میں آ تا۔ آج ہرسکھ رائے وید جی کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کی نظر اچانک مانک لال کے برابر والی کرسی پر پڑی، کرسی خالی نہیں تھی۔ ایک لڑکی اس پر بیٹھی ہوئی تھی۔ لڑکی کے چہرے کا دایاں حصہ اس کی طرف تھا۔ ایک خوب صورت آنکھ۔ ایک رخسار۔ ہونٹوں کا ایک کونہ۔ مرمریں جلد۔ صراحی دار گردن، ذرا جھکی جھکی سی اور اس کی گردن پر ایک نیلی سی رگ پھڑکتی ہوئی۔ ہرسکھ کی مشتاق نگاہیں اس کا پورا چہرہ دیکھنے کے لئے بیقرار

ہو گئیں۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"جس کا آدھا چہرہ اتنا حسین ہے اس کا پورا چہرہ کتنا دلکش ہو گا۔"

لڑکی اپنی جگہ سے اٹھی۔ اور ہرسکھ کی طرف نہ دیکھتے ہوئے سامنے سے گذر گئی۔ لڑکی کی طرف وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ مانک لال کا انتخاب واقعی قابلِ داد تھا۔ صحت کے لحاظ سے مانک لال کسی پہلوان سے کم نہ تھا۔ اسے اپنے حسن، جسکی بنیاد خالص دودھ اور گھی پر تھی۔ بے حد ناز تھا۔ فتح مندی اور کامرانی کا احساس کراتے ہوئے اس نے ہرسکھ کی طرف دیکھا۔ تاکہ ہرسکھ کو اپنی شکست کا پورا احساس ہو جائے۔

اگر ہرسکھ رائے عجز و انکساری اور خلوص کا مجموعہ تھا تو مانک لال شہ زوری اور گھمنڈ کا پلندہ۔ دونوں نے ایک دوسرے کو کبھی پسند نہ کیا۔ اس وقت مانک لال نے رعب جماتے ہوئے کہا۔

" ذرا کملیش کماری کو بلائیے گا۔ وہ ابھی یہاں سے گئی ہے۔"

اسی بات کی تو اس نے تمنّا کی تھی۔ اس لڑکی کو قریب سے دیکھنے کا موقع مل جائے۔ " مانک لال تمہاری ایک ہزار برس کی عمر ہو۔ تم نے میرے دل کی بات بھانپ لی۔"

اور یہ سوچ کر وہ کمرے سے نکلا اور برآمدے تک پہنچا۔ دیکھا تو لڑکی جا چکی تھی۔ وہ دوڑا اور بھر آن واحد میں گیٹ سے باہر کھڑا تھا۔ سامنے کملیش ایک ٹانگ سائیکل پر رکھ چکی تھی۔ دوسری رکھنے والی تھی کہ پیچھے سے آواز آئی۔

" کملیش جی!"........ اجی کملیش جی!!"

یہ سنتے ہی کملیش کی دوسری ٹانگ اٹک گئی۔ بیچاری کا توازن قائم نہ رہا۔ گر پڑی۔ ہرسکھ رائے اسے اٹھانے کے لئے دوڑا۔ ہرسکھ کی گھبراہٹ اور بے چینی کا یہ عالم تھا کہ اس نے کملیش کی بجائے سائیکل کو اٹھا لیا۔ اب کملیش زمین پر تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہرسکھ اسے اٹھائے لیکن ہرسکھ کے ہاتھ میں سائیکل تھی۔ جب اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اسے سائیکل کے بجائے کملیش کو اٹھانا چاہیے

اور کملیش کو اٹھانے کے لئے لپکا کہ کملیش کھڑی ہوگئی اور سائیکل نیچے گر گئی۔ اب وہ کبھی کملیش کی طرف دیکھتا کبھی سائیکل کی طرف، وہ سوچ رہا تھا کہ کس کو اٹھائے ؟ کملیش کو ؟ سائیکل کو ؟ یا دونوں کو ؟

اتنے میں کملیش نے سائیکل اٹھالی۔

ہرسکھ رائے ہکا بکا رہ گیا۔ اور اس چاند سے مکھڑے کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے بچہ چاند کی طرف دیکھتا ہے۔ اور اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ بے حد خوبصورت لڑکی ہے۔

"کیا بات ہے۔ ؟" کملیش نے نرم لہجہ میں کہا۔

" مانک لال جی نے آپ کو بلایا ہے۔"

دونوں ہسپتال کی طرف بڑھے۔

ہرسکھ رائے مجسم حیرت نبا ہوا تھا۔ مانک لال اور کملیش کماری کے درمیان کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اسے کچھ علم نہ تھا۔ وہ تو اس لڑکی کے حسن سے اتنا مرعوب ہو گیا تھا، کہ دنیا و مافیہا کو بھول گیا تھا ـــــ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ ؟ اور کیوں کھڑا ہے ؟

جب دونوں باتیں کر چکے تو وید مانک لال نے ہر سکھ رائے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"آپ انہیں جانتی ہیں۔؟"

"جی نہیں۔"

"یہ ہمارے ہسپتال میں نوکر ہیں۔ وید ہر سکھ رائے۔ اور آپ کملیش کماری جو اس ہسپتال میں چھ ماہ سے کام سیکھ رہی ہیں۔"

کملیش نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کی۔

ہر سکھ رائے نے بھی دونوں ہاتھ جوڑ کر نمستے کی۔

"میں تو انہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ کی ڈیوٹی رات کو ہوتی ہے نا۔ اور کملیش جی دن کو آتی ہیں۔"

کملیش جی نے کچھ نہ کہا۔ اور وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ہر سکھ رائے کے قدم خود بخود باہر کی طرف بڑھے وہ دیر تک اس حسین مجسمے کو دیکھتا رہا۔ اور قدرت کی صنّاعی کی تعریف کرتا رہا ——— کاش وہ شاعر ہوتا۔

اور اس لڑکی کی مدح و ثنا میں ایک دیوان لکھتا ....
ایک ناولسٹ ہوتا تو ایک ہزار صفحوں کا ناول لکھ سکتا ....
ایک مصّور ہوتا تو اس لڑکی کی ایسی تصویر بناتا کہ دنیا دیکھ کر
دنگ رہ جاتی .... ایک مجسمہ ساز ہوتا تو پتھروں سے
ایسے نقش ابھارتا کہ کھجراہو کی بت تراشی کے نمونے ماند پڑ جاتے۔
...... اگر وہ مغنّی ہوتا تو اپنی اداس روح کی گہرائیوں سے
ایسا نغمہ بلند کرتا کہ کملیش کماری کے حسن کی طرح حسین و
جمیل ہوتا۔

کملیش کماری چلی گئی۔ وہ تو اس کے نقشِ پا ہی
دیکھتا رہ گیا۔ ایسا کیوں ہوا ؟ کہ اسے دیکھتے ہی اس
کا جسم لرز سا گیا۔ اور کملیش کو پانے کی تمنا اس کے دل میں
کیوں ابھری ؟ اس کے دل و دماغ میں نفرت کے سوا اور
کچھ نہ تھا ـــــــ اچانک یہ نفرت محبت میں کیسے بدل گئی۔
.... ؟ اور چاروں طرف پھول ہی پھول کھل اٹھے
تھے۔ فضا میں ایسی مہکی مہکی سی خوشبو تھی۔ وہ ایسی دیوانگی۔
اور وارفتگی سے دوچار ہو رہا تھا۔ جس سے اس کے دل
و دماغ سرشار ہو گئے۔ اسے یوں محسوس ہوا، جیسے جینے کے لئے

بہانہ تو مل گیا۔

ہاں اب وہ دن کو بھی ہسپتال آئے گا۔

اس دن سے ہرسکھ نے دن کو بھی ہسپتال آنا شروع کیا۔ رات بیماروں کی تیمارداری میں گذر جاتی اور دن کملیش کو دیکھنے کی خواہش میں بیت جاتا۔ وہ چاہتا، کسی طرح کملیش کے قریب آجائے۔ محض چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔؟

اس نے کملیش کماری کے ملنے سے پہلے اور ملنے کے بعد کئی بار اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھا تھا۔ اس کے چہرے میں کوئی ایسی کشش نہ تھی کہ لڑکیاں اس پر فریفتہ ہو جائیں۔ بڑا ہی بے ڈھنگا سا چہرہ تھا۔ یوں تو ہر چیز اپنی جگہ تھی۔ آنکھ، کان، ناک، رخسار، ہونٹ، بال، ہاتھ پاؤں سب موجود تھے۔ مگر جسم کے نقش سلیقے اور قرینے کے نہیں تھے ـــــ آخر اسے کیا حق تھا کہ خوش شکل نہ ہوتے ہوئے کسی خوبصورت لڑکی سے محبت کرے؟ محبت کون کرتا ہے ـــــ؟ وہ کملیش سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔؟ آخر کیوں ـــــ؟ وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی آواز

سننا چاہتا ہے۔ اس کی اپنی آواز میں کوئی جادو نہ تھا۔ بڑی موٹی بھدی سی آواز تھی۔ وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ کملیش اس سے کبھی محبت نہ کرے گی۔ اپنے دل کی بیتاب تمناؤں کو کیسے دبائے ؟ اس مضطرب دل کی دھڑکن سے کیسے کہے کہ تو نہ دھڑک ! اتنا بے تاب ہونے کی ضرورت نہیں۔ !!

ہسپتال کی ملاقاتیں، جنہیں ملاقاتیں نہیں کہا جا سکتا۔ بالکل غیر اہم تھیں۔ کئی بار ہرسکھ یوں ہی برآمدے میں کھڑا رہتا۔ تاکہ کملیش ادھر سے گزرے اور نمستے ہی کر لے کملیش گزرتی تو وہ ہاتھ جوڑ کر نمستے کہتا۔ کملیش نمستے کا جواب دیکر آگے بڑھ جاتی۔ وہ دیر تک کملیش کی طرف دیکھتا رہتا۔ حتیٰ کہ کملیش دوسرے کمرے میں چلی جاتی۔

یوں ہرسکھ نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ کملیش کو خوبصورت ڈیزائین کی ساریاں پہننے کا شوق تھا۔ تقریباً ہر روز نئی ساری پہن کر آتی۔ ساریوں کا رنگ کبھی گہرا نہ ہوتا۔ بلکہ نہایت ہی ہلکا ہلکا سا رنگ۔ جو آنکھوں کو اچھا لگتا۔ وہ بالوں کو بڑے سلیقے سے گداستہ کرتی۔ بال اس

طرح بنائی کہ چہرے کی خوبصورتی اور نمایاں ہو جائے ــــــ
یہ تو نہیں کہ زندگی میں اس نے کسی خوب صورت لڑکی کو نہیں
دیکھا تھا ؛ مگر حسن اور سلیقے کا اتنا حسین امتزاج ذرا کم ہی
دیکھا تھا ۔ اکثر چہرے اور جسم جاذبِ نظر ہوتے ہیں ۔ لیکن
اپنے آپ کو پیش کرنے کا طریقہ اتنا بھونڈا اور گھٹیا ہوتا ہے
کہ ساری خوبصورتی فنا ہو جاتی ہے ۔ ہر سکھ رائے یہ چاہتا
تھا کہ وہ کملیش کو گھر بلائے اور کھانا کھلائے ۔ اس کا اپنا
کمرہ اتنا گندا تھا کہ کسی مہمان کو بلاتے ہوئے شرم سی محسوس
ہوتی تھی ۔ پھر وہ کیا کھلائے گا ۔ ؟ کس قسم کی خاطر تواضع
کریگا ۔ ؟ بات کیا کرے گا ۔ کملیش کے آگے تو اس کی زبان
تک بند ہو جاتی ہے ۔

حسن کا جادو اس پر اتنا اثر انداز ہوتا کہ وہ بوکھلا
سا جاتا ۔ وہ جانتا تھا جس چیز کا وہ متلاشی تھا ۔ وہ
اسکی پہنچ سے باہر تھی ۔ اس کی تمنا کرنا بے وقوفی کے مترادف
ہے ۔ اسے حاصل کرنا چاہئے شبیر کو لانا تھا ۔ مگر وہ کیا کرے
اس جذبۂ شوق کو ؟ اس وارفتگی کو ؟ اس اضطراب اور
جلن کو کہاں لے جائے ۔ ؟ حسن پرستی کا جذبہ بڑا انیک ہے ۔

مگر دل کا سکون چھن جاتا ہے۔

اس عرصہ میں ہرسکھ نے کوئی ایسی نامعقول حرکت نہ کی، جو اس جذبے کے مسلّط ہونے پر کوئی بھی شخص کرسکتا ہے ــــــ اس لئے جذبۂ عشق کے زیر اثر ...... عاشقوں کو گریبان چاک کر کے گلی کوچوں میں آوارہ پھرتے دیکھا ہے۔ میر اور غالب کے شعر گنگناتے سنا ہے۔ شراب پی کر دیواروں سے ٹکریں مارتے دیکھا ہے۔ ان لوگوں نے فرہاد اور مجنوں کے کارناموں کو مات کر دیا۔ کئی لوگ معشوقہ کے ملنے پر اسے قتل کر دیتے ہیں۔ یا اپنا سر ریل کی پٹری پر رکھ کر اگلی دنیا میں چلے جاتے ہیں۔ اور جاں باز عاشقوں کی فہرست میں اپنا نام بڑھا لیتے ہیں۔

ہرسکھ اس قسم کا عاشق نہ تھا۔ ازلی شرافت اور وید جی کا پٹہ گلے میں آویزاں تھا۔ ہرسکھ عقل و دانش کو تا تجلی دیگر عشق کرنے کا قائل نہ تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اسکی محبت یک طرفہ تھی ــــــ اس لئے محبت۔ عشق و انکساری۔ عاجزی۔ خلوص۔ پیار اور صبر و سکون کو ضبط نفس کے کھرل میں پیس ڈالا۔ اس کا نتیجہ عجیب و غریب نکلا۔

کبھی کبھار بہار اچانک آتی ہے۔ سرگوشیاں کرتی ہے۔ بڑے دھیمے انداز میں گنگناتی ہے۔ کلی مسکراتی ہے۔ پھول بن جاتی ہے ـــــ درخت پھولوں سے لد جاتے ہیں۔ فضا میں خوشبو بکھر جاتی ہے۔ ہر شے جوان اور حسین نظر آتی ہے۔ اور اس طرح بہار بعض اوقات زندہ ہو جاتی ہے۔ اور پراسرار جادوگرنی کی طرح عاشقوں کے گلے میں اپنی باہیں ڈال دیتی ہے۔ شاید وہی دن تھے۔ وہی راتیں تھیں۔ وہی موسم تھا۔

ایک شام جب ہرسکھ ہاتھ میں سائیکل پکڑے ہوئے جا رہا تھا تو اسے سڑک پر کملیش کماری سائیکل پہ جاتی ہوئی

دکھائی دی ـــــــ ملنے کی آرزو اتنی ابھری کہ سائیکل پر چڑھنے کے بجائے وہ سائیکل کو پکڑے ہوئے دوڑنے لگا۔ اور ساتھ میں سائیکل کی گھنٹی بجانے لگا۔ پھر چلا چلا کر پکارنے لگا۔

"کملیش جی.......! کملیش جی.......!! سنئیے تو۔ ــــــ!!!"

کملیش نے مڑکر دیکھا۔ دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے سائیکل چھوٹ گئی۔ اب صرف گھنٹی اس کے ہاتھ میں تھی۔ جسے وہ زور زور بجا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔

"کملیش جی!........ کملیش جی!!"

اتنے میں کملیش کماری سائیکل سمیت اس کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔

ہرسکھ چپ ہوگیا مگر گھنٹی بجانا نہ بھولا۔

"کیا بات ہے۔؟"

"کچھ نہیں۔"

"گھنٹی کیوں بجا رہے ہیں آپ۔؟"

"آپ کو بلا رہا تھا۔"

"میں آپ کے سامنے کھڑی ہوں۔"

"اوہ معاف کیجیے گا۔" اس نے گھنٹی جیب میں رکھ لی۔

"کیا میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں۔؟" اس نے کملیش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور! اپنی سائیکل تو اٹھا لیجیے۔"

"ارے میں تو بھول ہی گیا تھا۔" ہرسکھ نے سائیکل اٹھالی۔

بڑی رنگین اور سہانی شام تھی۔ جہاں آفتاب غروب ہوا تھا۔ وہاں شفق کے سرخ آنچل نے آسمان کے ایک حصّے کو ڈھک لیا تھا۔ ہوا میں بھینی بھینی خوشبو تھی۔

"آپ کہاں رہتی ہیں۔؟"

"گھر تو قریب ہی ہے۔"

"میں آپ کے گھر تک چلوں۔؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"میں آپ کا شکر گذار ہوں۔"

دونوں اپنی اپنی سائیکل پکڑے ہوئے پیدل

چلنے لگے ــــــ کملیش کماری نہ ڈری .... نہ سہمی .... نہ خفا ہوئی .... نہ خوش ہوئی۔ بڑے اطمینان کے ساتھ ہرسکھ کے ساتھ چلتی رہی اور ہرسکھ اس کے حسن سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ وہ خود کوئی ایسی بات یا حرکت نہ کرنی چاہتا تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہو سکتا کہ ہرسکھ رائے کملیش کماری سے دلچسپی رکھتا ہے ــــــ یا رکھ سکتا ہے۔

کملیش کماری نے اس سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔

"میں ایک ڈسپنسری کھولنا چاہتی ہوں۔"

"میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔؟" ہرسکھ نے فوراً جواب دیا۔

"آپ کے پاس کھرل ہیں۔؟"

"ہیں۔" حالانکہ اس کے پاس کھرل وغیرہ نہیں تھے۔

"جڑی بوٹیاں پیسنے کا ہاؤن دستہ ؟"

"وہ بھی ہے۔" حالانکہ وہ بھی نہیں تھا۔ ہرسکھ نے جھوٹ بولا تھا۔

"اور جڑی بوٹیاں ۔ ؟"

"کچھ ہیں، کچھ بازار سے خرید لیں گے ۔"

"کچھ دوائیں تیار کر لیں ۔ پھر ڈسپنسری کھولیں گے ۔ کیا خیال ہے ۔ ؟"

"اچھا خیال ہے ۔"

"ایک کمپاؤنڈر رکھ لیں گے ۔ ؟"

"اس کی کیا ضرورت ہے ۔ ؟"

کملیش نے حیرت زدہ ہو کر ہرسکھ کی طرف دیکھا ۔

"بندہ حاضر ہے ۔"

"آپ ۔ ؟"

"جی میں آپ کی ڈسپنسری میں کمپاؤنڈر بن جاؤں گا ۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ ؟ آپ اچھے خاصے وید ہیں ۔ بھلا آپ میری ڈسپنسری میں ایک کمپاؤنڈر کی حیثیت سے کام کریں گے ۔ ؟"

"کیوں کام نہیں کروں گا ۔ ؟" میں رات کو ہسپتال

میں اور دن کو آپ کی ڈسپنسری میں کام کروں گا۔ آپ کا تجربہ کم ہے۔ اس لئے جو نسخہ آپ لکھیں گی۔ میں اس میں ردوبدل کر سکوں گا۔ اس طرح ڈسپنسری چلنے لگے گی۔ کیا خیال ہے آپ کا۔؟"

تجویز معقول تھی۔ کملیش کو پسند آگئی۔

کملیش کماری کا گھر سامنے تھا۔ اس نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

"میں یہیں رہتی ہوں۔"

ہرسکھ نے گھر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس اب اجازت چاہتا ہوں۔"
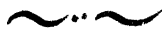
دل کی نگری بسا لینے میں بڑا مزہ آتا ہے۔

عشق، شہرت اور روپیہ، تینوں چیزیں انسان کو خود غرض بنا دیتی ہیں۔ نہ جانے ہر سکھ کے دل میں یہ خیال کیسے آیا کہ وہ کملیش کماری کے قریب رہے۔ اتنا قریب ہو جائے کہ دوسرا انسان اس کے اور قریب نہ آسکے۔ شہرت پانے اور حاصل کرنے کے لئے انسان بالکل اسی طرح سوچتا ہے کہ اس کا نام سب سے پہلے چھپے ——— کوئی دوسرا نام اس کے مدِ مقابل نہ آسکے۔ اور اس کا نام چھپتا ہی رہے۔ ایک ہزار سے دو ہزار! پھر ایک لاکھ — دو لاکھ۔

ایک کروڑ ۔ دو کروڑ ۔ ایک ارب ۔ دو ارب ۔ خود غرضی کا لا متناہی سلسلہ ۔ ازل سے لیکر ابد تک اسی طرح چلتا رہے گا ۔

ہرسکھ محبت کے معاملہ میں بڑا خود غرض واقع ہوا تھا ۔ محبت کتنی خود غرض ہوتی ہے ۔ کہ محبوبہ کو صرف اپنے لئے وقف کرتی ہے ۔ تیرے حسن کا پجاری صرف ایک ہو تیرے دیدار کا متلاشی صرف ایک انسان ہو ۔ تم سے باتیں کروں ۔ تو صرف میں ہی کروں ۔

خیر ہرسکھ جو چاہتا تھا ۔ وہی ہوا ۔ کملیش کو ہر روز دیکھنے کا ۔ اس سے باتیں کرنے اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقع مل گیا ۔ یہی کچھ وہ چاہتا تھا ـــــــ ویسے تو وہ بہت کچھ چاہتا تھا ۔ لیکن اس دنیا میں بہت کم لوگوں کو ملتا ہے ۔

سب سے پہلا کام ہرسکھ نے یہ کیا کہ بازار سے چند کھرل ہاون دستہ اور جڑی بوٹیاں خرید لیں ۔ کھرلوں پر مٹی لگا دی ۔ تاکہ نئے دکھائی نہ دیں ، اور دستوں کو زمین پر رگڑ رگڑ کر پرانا سا کر دیا ۔ یہ سب چیزیں اس نے کملیش کماری کے

گھر پہنچا دیں۔ یہیں پر پہلی بار کملیش کماری نے اپنے والدین سے اس کا تعارف کرایا۔

کملیش کی ماں پرانے خیالات کی عورت تھی۔ گو چہرے پر ماں کی ممتا عیاں تھی۔ مگر صرف اپنی بیٹی کے لئے نرمی اور خلوص بھی دل میں تھا۔ مگر صرف اپنے خاندان کیلئے ان قدروں کو اگر برتا جاتا تو صرف اپنے خاندان کے افراد تک۔ یہ قدریں محدود ہو کر رہ گئیں۔ اس کے بعد وہی اکھڑ پن۔ وہی خود غرضیاں۔ انداز گفتگو اور باتوں میں روکھا پن۔ صرف انہوں سے پیار کا اظہار کیا جاتا۔ باقی لوگ بالکل غیر تھے۔ قطعی اہم نہ تھے۔

اس لئے ہر سکھ رائے کی موجودگی اس کے لئے ذرا بھی دلچسپی کا باعث نہ تھی۔ بلکہ اسے یہ بات اچھی نہ لگتی کہ اس کی لڑکی ایک اجنبی کو اس طرح اپنے ساتھ لے آئے۔ کملیش کا باپ ذرا خوش مزاج تھا۔ اس نے ہر سکھ کو دیکھتے ہی کہا۔

"بیٹھئے وید جی۔"

اور ہر سکھ شرما کے بیٹھ گیا۔ لسی کا ایک گلاس

پیش کیا گیا۔ اور اس نے وہ تسی خاموشی سے پی پی۔ پھر ڈسپنسری کے متعلق باتیں ہونے لگیں۔ آخر میں ہر سکھ "نمستے۔" کہہ کر گھر سے باہر نکلا۔

کملیش کے والدین سے ملکر وہ زیادہ خوش نہ ہوا۔ بحر حال اسے کملیش کے قریب رہنے کی تمنا تھی۔ ان سے کبھی کبھار مل لیا کرےگا۔

ڈسپنسری کھولنے کے سلسلہ میں جو کچھ دونوں نے تیاری کر لی تھی کر لی۔ اور پھر ڈسپنسری کھول لی۔ اب تقریباً ہر روز ایک دوسرے سے ملتے۔ آپس میں اتنے گھل مل گئے کہ اجنبیت جاتی رہی۔

وید مانک لال نے دیکھا کہ کملیش اپنی دھن کی پکی ہے۔ خوبصورت ہونے کے علاوہ۔ دل کی نیک۔ اور بلند کردار کی ہے۔ فلرٹ قسم کی عورت نہیں۔ انہوں نے اپنے شریفانہ پیشے اور صحت کا خیال رکھتے ہوئے ان دونوں کو قسمت کے حوالے کر دیا۔ جہاں ان کا جی چاہے جائیں۔ وہ کچھ عرصے کے لئے فلسفۂ بقائے باہمی کے بھی قائل ہو گئے۔

ہرسکھ کے دل میں کملیش کماری کے لئے جو محبت تھی۔ اس نے عجیب و غریب صورت اختیار کر لی۔ عام طور پر عاشق داڑھی بڑھاتے ہیں۔ دن رات بند کمروں میں پڑے رہتے ہیں۔ آہیں بھرتے ہیں۔ شاعر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ الٹے سیدھے شعر کہتے ہیں۔ محبوبہ کو خط لکھتے ہیں۔ معشوقہ کی گلی کے چکر کاٹتے ہیں۔ مرنے یا مارنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ اور کئی عاشق تو خود اس دنیا سے چل دیتے ہیں۔ یا محبوبہ کو اگلی دنیا میں پہنچا کر خود بھی اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ یہ سوچ کر یہ یہاں تو وصل یار نہ ہو سکا۔ شاید اگلی دنیا میں ہو جائے۔ بچارے یہ نہیں جانتے کہ جو لوگ اس دنیا میں اپنی محبوبہ کو حاصل نہ کر سکے وہ اگلی دنیا میں کیسے کریں گے۔؟

ہرسکھ بے عمل قسم کا آدمی نہ تھا۔ نہ اس نے داڑھی بڑھائی۔ نہ آہیں بھریں۔ نہ شکوے کئے۔ بلکہ خدمت اور سیوا کے جذبے کو لے کر میدان میں کود پڑا ——— محبوبہ نے کوئی فرمائش کی۔ اسے فوراً پورا کیا .... کملیش کماری نہ تو فلو لیٹر اتھی اور نہ ہی ہیلن آف ٹرائے۔ اسے

نہ تو کسی ملک کو فتح کرنے کی خواہش تھی اور نہ ہی ملکۂ مصر بننے کی تمنا تھی۔ اس نے کبھی نہ چاہا کہ اس کے عاشقوں کو گولی سے اڑا دیا جائے، اس کی تو چھوٹی چھوٹی خواہشات تھیں۔ مثلاً۔

سائیکل کی ٹیوب میں ہوا نہیں۔ اسے بھروا دیگا۔

چپل پر پالش کروا لائے۔

لانڈری سے کپڑے لے آئے۔

پیک کر ڈاکخانہ سے ۲ خط لے آئیے۔

اور پھر ڈسپنسری کا کام تھا۔ جسے ہرسکھ اپنا فرض اولین سمجھ کر کرتا رہا۔ دن کو ڈسپنسری میں کام کرنا۔ اور رات کو خیراتی رام ہسپتال میں ڈیوٹی دینا۔

یوں بھی انسان ایک ہی جگہ رہ کر یا ایک دوسرے سے بار بار مل کر بور ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایک دن ہرسکھ نے کہا۔

"کملیش جی! یہاں قریب ہی ایک نہر ہے۔ اور نہر کے پاس ایک باغ ہے اور باغ میں پھول ہیں۔ کسی دن پک نک کرنے چلیں —؟"

یہ الفاظ کہہ کر ہرسکھ نے غرور چھپایا۔ نہ جانے جب
یہ دو کومل ہونٹ کھلیں گے تو ان سے کس قسم کے پھول
جھڑتے ہیں ـــــ زندگی کی آواز آتی ہے یا موت کا پیغام؟
آخر یہ ہونٹ تو ہیں کچھ کہہ دیں۔ ؟ جب کملیش نے ہاں کر دی
تو ہرسکھ نے سکھ کا سانس لیا۔ یوں پک نک پر لوگ اکیلے
نہیں جاتے۔ گروپ بنا کر پک نک کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ
ہنستے رہیں۔ کھیلتے رہیں۔ قہقہے لگائیں۔ خوب کھائیں۔
ایک دوسرے کے پیچھے دوڑیں .... رنگ برنگے کپڑے
خوب صورت چہرے۔ ایسا معلوم ہو کہ فضا خوشی اور مسرّت
کی لہروں سے گونج رہی ہے۔

مگر جب یہ دونوں نہر کے قریب والے باغ میں
پہنچے، تو بس دونوں ہی تھے۔ اور کوئی نہ تھا۔ یوں کملیش
گھر سے کھانا پکا کر لائی تھی ـــــ پہلے دونوں نہر کے کنارے
ٹہلتے رہے۔ پھر باغ میں چلے گئے، اور ریشمی گھاس پر دسترخوان
بچھا دیا، اور کملیش کماری نے کھانا پروس دیا۔ دونوں نے
جی بھر کے کھانا کھایا۔ کھانا بڑا لذیذ تھا۔ کھانا کھا کے
دونوں گھاس پر لیٹے رہے۔ پھر اٹھے اور گھر کی طرف چل دیئے۔

یہ دو دوستوں کے دوستانہ جذبے کا آغاز تھا۔
اب دونوں کبھی کبھار فلم دیکھنے چلے جاتے۔ دراصل ہرسکھ کے مزاج میں تیزی اور تندی نہ تھی۔ وہ دل ہی دل میں کملیش سے محبت کرتا رہا۔ اس کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ کملیش اس کے ساتھ آتی جاتی تھی۔ ساتھ ساتھ کھانا کھاتی اور کسی دوسرے کے ساتھ گھومتی پھرتی نہ تھی۔
ایک شام دونوں باغ میں پہنچ گئے۔ آج کی شام بڑی خوبصورت تھی۔ چاروں طرف پھول کھلے ہوئے تھے۔ اور ان پھولوں سے بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی۔ جوں جوں وقت گذرنے لگا۔ شام رات میں تبدیل ہوگئی۔ اور آسمان پر چاند نکل آیا۔ ہری اور ملائم گھاس پر دونوں بیٹھے ہوئے تھے، اور ہرسکھ گھور گھور کر کملیش کی طرف دیکھ رہا تھا۔
اس چاندنی رات میں کملیش کتنی حسین دکھائی دے رہی تھی۔ بار بار اس کی نگاہیں کملیش کے چہرے پر آکر رک جاتیں۔ اتنی بار دیکھنے کے باوجود تشنگی کا احساس نہ مٹ سکا ــــــــ وہ اپنے دل کی بات کیسے کہے؟ کون سنتا ہے کسی کے دل کی بات؟ اور آخر کیوں سنے؟ کسے پرواہ ہے؟ اس

نے اس ماحول سے متاثر ہو کر کملیش کی طرف اس طرح کبھی نہ دیکھا تھا۔ ضبط کے بند ٹوٹ رہے تھے۔ جب وہ کملیش کی طرف دیکھتا تو ایک طوفان اس کا تعاقب کرتا، اور وہ دل کی ہر خواہش کو صبر و سکون کے کھرل میں پیس کر ضبط نفس کا لیبل لگا دیتا۔

آج چاندنی رات میں اس چہرے کو دیکھ کر وہ بیتاب سا ہو گیا۔ اس نے پھر اپنی روح کو سیراب کرنے کے لئے کملیش کی طرف دیکھا۔ کہیں یہ خوب صورت چہرہ اس سے چھن نہ جائے آج اس نے کملیش کے خد و خال کو بغور دیکھا۔ کہیں یہ خد و خال اس کے ذہن سے مٹ نہ جائیں۔ یہ معصوم سی صورت ستواں ناک، گورا گورا سا چہرہ، پتلے پتلے سے ہونٹ، گلاب کی پنیوں کی طرح نرم و نازک۔ آنکھوں کی پتلیاں سیاہ پلکیں گھنی اور بوجھل۔ چہرے کی جلد بے حد ملائم۔ گوری گوری رنگت پر صاف شفاف چاندنی لرزاں تھی۔ اس کا دوپٹہ سینے سے ڈھلک گیا تھا اور دو گنبدوں کے درمیان ایک نرم اور شفاف سے ڈھلوان سینے سے گذر کر ناف تک چلی گئی تھی۔ اور جہاں کملیش لیٹی ہوئی تھی اس کے قریب

ایک پھولوں کا جھاڑ تھا۔ تیز ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ ایک پھول شاخ سے گر کر سینے کی ڈھلوان میں آ کر اٹک گیا۔ ہر سکھ خوشی اور مسرت سے مغلوب ہو کر گھاس پر لیٹا رہا۔ اور ایک لمحہ کے لئے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ تاکہ وہ اس خوشبو سے مکمل حظ اٹھا سکے۔ خوشبو جو کملیش کے جسم سے نکل کر اور پھولوں سے ہمکنار ہو کے اس کے ذہن کے پردوں سے ہم آغوش ہو رہی تھی۔

"کہاں ہیں آپ۔ ؟" کملیش نے گھاس کا ایک تنکا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"جنت میں !" وہ کبھی یوں بے سدھ نہ لیٹا تھا فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ کے قریب ہی ہوں ...... تو ہاں، شاید میں نے آپ کو بتایا نہیں کملیش جی کہ میں شادی شدہ ہوں۔" اس نے ہڑبڑا کر کہا۔

کملیش ہنس پڑی۔

اس سے پہلے دو بار بتا چکے ہیں اور یہ بات میں اپنی ماتا جی سے بھی کہہ چکی ہوں۔ ماتا جی نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ

"تمہارا ہر سکھ کے ساتھ اس طرح گھومنا پھرنا ٹھیک نہیں۔"

تو میں نے جواب دیا۔

"ان کی شادی ہو چکی ہے۔"

"میرے دو بچے بھی ہیں کملیش جی۔"

"جب شادی ہوتی ہے تو بچے بھی ہوتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔"

"میں کئی برسوں سے اپنی بیوی سے الگ رہتا ہوں۔"

"کیوں ؟" کملیش نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بڑی لمبی داستان ہے۔"

"دو تین فقروں میں اصلی بات کہہ ڈالیے۔"

"بس یوں سمجھئے کہ کوشش کرنے کے بعد بھی اپنی بیوی کو پسند نہ کر سکا۔"

"سیرت اچھی نہیں یا صورت۔؟"

"پہلے صورت سے نفرت ہوئی۔ اس کے بعد سیرت سے۔" یہ کہہ کر ہر سکھ خاموش ہو گیا۔

محبت کا وحشی راگ، جو اس کے دل میں موجزن تھا۔

اس کی ایک تان بھی کملیش تک نہ پہنچی۔

کملیش کے دل میں ہرسکھ کے لئے عجیب و غریب جذبات ابھرے۔ وہ جانتی تھی کہ ہرسکھ اسے چاہتا ہے —— محض چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔؟ .... یہ نیک مرد اظہار عشق بھی نہیں کرتا۔ اس کا ہر کام کرتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں کہتا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اسے چھوتا تک نہیں۔ دن بھر اس کے ساتھ گھومتا ہے۔ اس کی ڈسپنسری میں بحیثیت ایک کمپاؤنڈر کام کرتا ہے۔ بازار سے جڑی بوٹیاں خرید کر لاتا ہے۔ انہیں کوٹتا چھانتا ہے۔ دوائیں تیار کرتا ہے۔ ڈسپنسری کھولتا ہے۔ بند کرتا ہے۔ اس کے گھر کا کام کاج کرتا ہے۔ ذہین اور سمجھدار آدمی ہے۔ اس کی اچھی خاصی آمدنی ہے۔ تنخواہ کا کچھ حصہ اپنی بیوی کو بھیجتا ہے۔ کچھ اس پر خرچ کرتا ہے۔ بھونڈے مذاق نہیں کرتا۔ دوستی کا دم بھرتا ہے۔ بس اس کے آگے اور کچھ نہیں۔

کملیش اسے پسند کرنے لگی تھی۔ اسی لئے اس کے ساتھ سیر کرنے چلی جاتی۔ ہرسکھ نے اپنے آپ کو کملیش کی پسند کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ ہرسکھ کی شکل و صورت کو چھوڑ کر کملیش کو اس کی

سیرت پسند آئی۔ اس کی باتیں نہایت روکھی پھیکی۔ اندازِ بیان بھونڈا۔ نہ باتوں میں لوچ نہ ۔ بڑی بے اثر اور بے جان سی گفتگو کرتا۔ بات شروع کہیں سے کرتا اور ختم کہیں۔ جب لطیفہ سناتا تو اس کے خاتمہ پر پہلے خود ہنستا اور بعد میں دوسرے لوگ ہنستے۔

اس بدصورت چہرے کے پیچھے کتنی خوبصورتی چھپی تھی۔ اس کا اندازہ صرف کملیش کو تھا۔ اس کے ہر کام سے سچائی۔ اور خلوص جھلکتا تھا۔ اور وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف کھینچی چلی آ رہی تھی۔ کاش کوئی دھکا دیکر اسے ہرسکھ کے آغوش میں ڈال دیتا۔ وہ عمر بھر کے لئے اس کی احسان مند رہتی۔ وہ خود بخود اس کی جھولی میں کیسے گرے۔؟

~..~
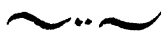
ہرسکھ خود پریشان تھا کہ وہ ان حالات میں کیا کرے ؟
وہ شادی شدہ تھا۔ اس کے بچے بھی تھے ۔گو کافی برسوں سے
وہ اپنی بیوی سے الگ رہتا تھا۔ مگر قانونی نقطۂ نگاہ میں وہ
اپنی بیوی کا خاوند تھا۔ وہ کملیش کو چاہتا تھا۔ پیار کرتا تھا۔
کملیش سے شادی کرنا چاہتا تھا ـــــــ شادی کیسے ہوسکتی
تھی ؟ کملیش تو اس سے محبت بھی نہیں کرتی ؟......
شاید پسند کرتی ہو۔ پسند کرنے سے کیا ہوتا ہے ؟ وہ اپنی بیوی
کو طلاق نہیں دے سکتا ۔ اور نہ ہی اس کی بیوی اسے طلاق
دے گی ۔ یہ ازدواجی رشتہ موت تک ساتھ چلے گا۔ اس

نے کملیش کی محبت کو مٹانے کی کوشش کی۔ مگر ہر بار یہ جذبہ بڑی شدّت کے ساتھ ابھرتا رہا۔ اور اب اسے محسوس ہونے لگا کہ وہ کملیش کو کبھی نہ بھلا سکے گا۔ اس میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ وہ اپنے دل کے ارمانوں کو کملیش کے سامنے بے نقاب کر دے۔

کئی بار ان کہی باتوں میں بڑا وزن ہوتا ہے۔ ان کا اثر دیر تک رہتا ہے ــــــ صرف مانگنے سے کچھ مل جاتا تو ہر فقیر امیر ہو جاتا اور ہر بیکار آدمی کام پر لگ جاتا۔ کسی سے کچھ مانگنا ایک ایسا فعل ہے۔ جو انسان کو بہت چیپ بنا دیتا ہے۔ یوں تو لوگ اپنی مانگوں کے لئے زندگی کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اور جان پر کھیل جاتے ہیں ــــــ محبت میں انسان کیا مانگے ــــ؟ اور پھر یہ یک طرفہ محبت........؟ کتنی اذیت پسند ہوتی ہے۔ کئی بار اسے خودکشی کرنے کا خیال آیا۔ اس نے ہمیشہ خودکشی کے جذبے پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اور کافی حد تک کامیاب رہا۔ ورنہ کب کا راہئی ملک عدم ہو جاتا۔ رہ رہ کر ایک خیال اس کے دماغ میں آتا کہ وہ ایک دیدنتھا۔ محبت واقعی ایک قابلِ احترام جذبہ ہے۔

مگر ان بیمار انسانوں کا کیا ہوگا ؟ جو وارڈیں دن رات پڑے رہتے ہیں، اور اس کی راہ دیکھتے ہیں۔ جب وہ وارڈ میں انہیں دیکھنے جاتا تو ان کے اداس چہروں پر مسکراہٹ سی دوڑ جاتی۔ وہ انہیں ڈھارس دیتا۔ کئی مریض صحت یاب ہو کر چلے جاتے کئی اپنی چار پائیوں پر مر جاتے۔

انسانی خدمت کا جذبہ جو ہر سکھ کے سینے میں موجزن تھا، اسے وہ کبھی نہ مٹا سکا، اور کبھی کبھار رات کے اندھیرے میں وہ سوچتا کہ یہ کمبخت جمالیاتی حس بھی کیا چیز ہے۔ ؟ لاکھوں کروڑوں مرد بدصورت ہوتے ہیں۔ اسی طرح عورتیں بدصورت ہوتی ہیں۔ ان سب کی شادیاں ہوتی ہیں، اور لوگ ہنسی خوشی سے زندگی گزارتے ہیں۔ بھلا وہی کیوں کانٹوں کی سیج پر سو رہا تھا۔ ؟ اس میں اس کی بیوی کا کیا قصور تھا؟ اور خاص کر اس کے بچوں نے کیا گناہ کیا تھا ؟ کہ جس کے عوض وہ پدرانہ شفقت سے محروم تھے کبھی کبھار ان ننھے منے بچوں کی صورتیں اس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتیں، اور وہ بے حد پریشان سا ہو جاتا۔ چارپائی پر بیٹھ جاتا اور سوچتا کہ وہ کیا کرے ، جس طرح وہ سوچتا ہے۔ اس سوچ کو کیسے بدل

دے ؟

اگر کملیش اس کی زندگی میں نہ آتی تو کم سے کم اسے ذہنی سکون تو ملتا ؟ کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں کہ وہ کملیش سے اپنے قلبی حالات بیان کر دے - ؟ اور کہے۔

"اے کملیش ! میں بدصورت ہوں ۔ مجھے کوئی حق نہیں کہ تم سے پیار کروں ۔ ان تمناؤں کو لے کر کہاں جاؤں ؟ جو بات پروان نہیں چڑھ سکتی ، اس کا سوچنا ہی فضول ہے اس بے قرار دل کو کہاں لے جاؤں ؟ کس سے کہوں ؟ سمجھانے کے باوجود یہ دل نہیں مانتا اور تیرے ہی دیدار کا متلاشی ہے ۔ زندگی کی ایک ہی تمنا ہے کہ تجھے کسی طرح حاصل کر وں ۔ یہ جانتے ہوئے کہ میں جو کچھ سوچ رہا ہوں ، وہ میرا خواب ہے ۔ اور .... کیا یہ خواب کبھی اصلیت کا لباس پہن سکے گا - ؟"
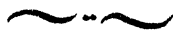
ہندوستانی گھر میں جب لڑکی جوان ہو جاتی ہے،
تو شادی بیاہ کی فکر والدین کے لئے ایک مسئلہ بن جاتی ہے
کملیش کی ماں نے ایک دن جل بھن کر کہا۔

"سنتے ہو جی۔؟"

"شیو کر رہے ہو گی یا نہیں۔؟" کملیش کے پتا نے
کہا۔

"شیو بھی کرو اور میری بات بھی سنو۔!"

"اچھا کہو!"

"کملیش جوان ہو گئی ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔ ؟"

"تو کیا ساری عمر ڈسپنسری میں کام کرتی رہے گی۔ ؟"

"کام کرنا کوئی بری بات نہیں کملیش کی ماں۔ !"

"لڑکا ہوتا تو میں اعتراض نہ کرتی۔ جوان لڑکی ہے۔ اس کی شادی کب کرو گے۔ ؟"

"جب کملیش شادی کے لئے کہے گی۔ اس کی شادی کر دی جائے گی۔ ؟"

"لڑکا ڈھونڈا ہے۔ !"

"ہاں تلاش کیا ہے۔ ؟"

"کیا کرتا ہے۔ ؟"

"کام کرتا ہے۔"

"کیا کام کرتا ہے۔ ؟"

"وید ہے۔"

"کس جگہ ــــــ ؟"

"اسی شہر میں۔"

"تم نے اسے دیکھا۔ ؟"

"ہاں دیکھا۔"

"کیسا ہے۔؟"

"جیسے لڑکے ہوتے ہیں۔"

"باپ کیا کرتا ہے۔؟"

"میں نے صرف لڑکے کو دیکھا ہے۔"

"خاندان کیسا ہے۔؟"

"میں نے کہا نا......... میں نے صرف لڑکے کو دیکھا ہے۔!"

"ذات ——؟"

"میں نے پوچھی ہی نہیں۔"

"تو پھر پوچھا کیا؟ اس کا نام بتا سکتے ہو۔؟"

"مجھے بتانے میں کوئی انکار نہیں —— اگر تم سننے کے لئے تیار ہو۔؟"

"تو پھر بتاؤ۔!"

"ہرسکھ!"

"ہرسکھ!؟"...... ماں ہرسکھ کا نام سنتے ہی لال پیلی ہو گئی۔

"کیا اس شہر میں کوئی اور لڑکا نہیں ملا۔؟"

"اس لڑکے میں کیا برائی ہے۔؟"

"میں پوچھتی ہوں اس میں کیا اچھائی ہے۔؟"

"سب سے بڑی اچھائی اس میں یہ ہے کہ کملیش اسے پسند کرتی ہے۔"

"تمہاری بیٹی بے وقوف ہے اور تم سٹھیا گئے ہو!"

"میں پوچھتی ہوں کہ اپنی لڑکی کی شادی ایک بہانا مرد سے کرو گے۔؟"

"تمہاری لڑکی بھی جانتی ہے۔"

"اگر تمہاری لڑکی خودکشی کرنا چاہتی ہے تو کیا تم اسے خودکشی کرنے کی اجازت دو گے؟"

"خودکشی کا اس میں کوئی سوال نہیں۔ کملیش ہر سکھ کو پسند کرتی ہے، اور ہر سکھ اس سے محبت کرتا ہے۔"

"شرم نہیں آتی یہ بات کہتے ہوئے ـــــ"

بیوی نے گرج کر کہا۔

"اس میں کیا ہرج ہے؟ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں۔؟"

"بیاہ سے پہلے تو محبت نہیں کی تھی!"

"مجھے اس کا کیا علم ؟"

"کیا میں جھوٹ بولتی ہوں۔ ؟"

"خیر اس میں کوئی کمال کی بات نہیں کہ تم نے بیاہ سے پہلے محبت نہیں کی۔ اگر کرلیتیں تو اس وقت تم مجھ سے یوں لڑتی جھگڑتی نہیں۔ لفظ محبّت سے یوں خوفزدہ نہ ہوتیں۔"

"میں محبت سے نہیں ڈرتی۔ بلکہ اس بات سے ڈرتی ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ غلط ہو رہا ہے۔"

"کیا غلط ہو رہا ہے۔ ؟"

"دونوں اکٹھے گھومنے جاتے ہیں ـــــ کیا تمہیں یہ معلوم ہے۔ ؟"

"ڈاکہ ڈالنے تو نہیں جاتے۔ ؟"

"جو کچھ لوگ دیکھتے ہیں۔ اس کے چرچے کرتے ہیں۔"

"آنکھیں میری بھی ہیں۔ میں بھی بہت کچھ دیکھتا ہوں۔ مگر کسی کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیتا۔"

"تم فرشتہ ہو انسان نہیں۔"

"خیر اگر انسان نہیں ہوں، تو شیطان بھی نہیں

کہ ہر ایک کی بہو بیٹی پر نظر رکھوں ! کہ وہ کیا کرتی ہیں۔ ؟"

" لڑکیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔ اس لئے کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ کوئی لڑکی کسی غیر آدمی کے ساتھ یوں گھومتی پھرے !"

" کیا ہرسکھ غیر آدمی ہے۔ ؟"

" مجھے تو اس کے بارے میں زیادہ معلوم نہیں صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہ ایک وید ہے ـــــــ اس کا باپ کیا کرتا ہے ؟ خاندان کیسا ہے ؟ اس کی آمدنی کیا ہے۔ ؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی لڑکی کی شادی ایک معمولی آدمی سے کر دوں۔ ؟"

" کیا معمولی آدمی انسان نہیں ہوتے۔ ؟"

" ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں کیا ضرورت ہے ؟ کہ اپنی لڑکی کی زندگی برباد کریں۔"

" تمہاری لڑکی کی زندگی برباد کیسے ہوگی۔ ؟"

" زندگی کی گاڑی روپوں کے بغیر نہیں چلتی۔ !"

" صرف روپوں سے زندگی نہیں بنتی۔ روپوں

کے علاوہ انسانیت کی بھی اہمیت ہے۔"

"تمہاری نظروں میں ہوگی۔ میری نظروں میں تو وہ شخص اچھا ہے جو اچھا خاصہ کما سکے۔ تاکہ میری لڑکی اس کے گھر جا کے راج کر سکے۔ میں بھک منگوں کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کرنے کے لئے تیار نہیں۔!"

"ہرسکھ، اچھا خاصہ پڑھا لکھا ہے۔ ایک شفا خانے میں نوکر ہے، اور تم اسے بھک منگا کہہ رہی ہو۔؟ دوسروں کی پگڑی اچھالنے میں تمہیں بڑا لطف آتا ہے۔!"

"مجھے اس کی صورت سے نفرت ہے۔!"

"اس کی صورت مجھ سے بہتر ہے۔!"

"ہوگی ——— ! مجھے تو اپنی پسند کا احترام کرنا ہے۔!!"

"یہاں صرف تمہاری پسند یا ناپسند کا سوال تو نہیں! ہمیں کملیش کی پسند کا احترام کرنا ہوگا۔!"

"کیا میری رائے کی کوئی وقعت نہیں۔؟ میں نے اسے پالا پوسا، بڑا کیا۔ کملیش میری لڑکی ہے۔!"

"تو کیا وہ میری بیٹی نہیں۔؟"

" لڑکیوں پر زیادہ اختیار ماں کا ہوتا ہے۔ ماں ہی بہتر جانتی ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو کہاں بیاہے۔؟"

" کم سے کم اپنی بیٹی سے تو پوچھ لو۔ !"

" بس پوچھ لیا ہے ! اب مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں !! اور مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے !!؟"

" سوائے لڑنے کے اور کیا کر سکتی ہو۔؟ خاص کر چھوٹی چھوٹی باتوں پر۔ !"

" بڑی بڑی باتوں پر تم لوگ خون کی ندیاں بہا دیتے ہو، کیا ہم چھوٹی باتوں پر بھی نہ لڑیں۔؟"

" ہم اصول کی خاطر لڑتے ہیں۔"

" بڑے دیکھے آپ کے اصول ——— ! بالکل بے معنی اور فضول ہیں آپ کے اصول !! ذرا سی بات پر شہر کے شہر برباد کرتے ہو !!!"

" اور نئی دنیا بھی آباد کرتے ہیں ہم لوگ ! عورتیں ہمیشہ گھٹیا باتیں سوچتی ہیں، اور محض چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتی جھگڑتی ہیں .... بے حد تنگ نظر ...... اور چھچھوری ہوتی ہیں۔"

"اسی لئے چھوٹا سا گھر آباد کرتی ہیں۔"

"اور مردوں کا سکون برباد کرتی ہیں۔"

"ہاں ہاں! اگر میں نے تمہارا سکون برباد کیا ہے تو کسی اور سے شادی کر لو۔!"

"شادی کرنے کا وقت ہوتا ہے کملیش کی ماں! پہلے لڑکی کی شادی کر لو ـــــ پھر مجھے مشورہ دینا۔!"

"جی میں صلاح دینے والی کون ہوں؟ تم ہی اپنی بیٹی کی شادی کر دو۔! مجھے بیچ میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟"

ـــــ خیر........ یہ بتاؤ تم نے کیا فیصلہ کیا۔؟"

"جو میری بیٹی فیصلہ کرے گی وہی میرا فیصلہ ہے!"

"اگر میں اس فیصلہ کو نہ مانوں؟"

فیصلہ ماننا یا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے۔ اور یوں اس کا دارومدار تمہاری عقل پر بھی ہے۔"

"میری عقل تم سے زیادہ نہیں۔"

"مجھے اس کا احساس ہے۔"

"مجھے کم عقل ہونے پر فخر بھی ہے۔"

"بیوقوف عورت ہمیشہ اپنی کم عقلی پر فخر کرتی ہے۔"

"جو زیادہ عقل مند ہوتا ہے۔ وہ بیوقوفوں سے بدتر ہوتا ہے۔"

"اس لئے میں اپنی کم عقلی کو بہتر طریقے سے استعمال کر کے کہہ رہی ہوں! ذرا کان کھول کر سننا، تاکہ دوبارہ سنانے کی ضرورت نہ پڑے!!"

"سن رہا ہوں! کملیش کی ماں سن رہا ہوں!! تم اپنا فیصلہ سناؤ!!!"

"ہرسکھ اور کملیش کی شادی نہیں ہوگی! کسی طرح نہیں ہوگی، اور کبھی نہیں ہوگی!!"

"اگر ہو گئی تو کیا کرو گی۔؟"

"اگر ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ تو شادی سے پہلے آتم ہتھیا کروں گی ـــــ میں ان دونوں کے سامنے تیل چھڑک کر اپنے آپ کو آگ لگاؤں گی اور جل کر مر جاؤں گی۔"

"ہم لوگ آگ بجھانے والے انجن کو پہلے ہی بلوا لیں گے، اور تمہیں جلنے نہیں دیں گے........ اس کے بعد تمہیں پولیس کے حوالے کیا جائے گا۔ تاکہ تم پر مقدمہ چل سکے اور

سزا ملے کہ تم نے جان بوجھ کر، کھاتے پیتے، ایک اچھے گھر میں رہتے ہوئے، خودکشی کرنے کی کوشش کی۔

"تم مجھے جیل بھجواؤ گے۔؟"

"اور میں آپ کی کیا سیوا کرسکتا ہوں۔ یعنی آپ مرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اور میں آپ کو بچا کر صرف جیل بھجوا رہا ہوں۔ کتنا Human Angle ہے میرا، اس کی داد تو دو۔؟"

"میری باتوں کا مذاق نہ اڑاؤ! عورت جس بات کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس پر عمل کرتی ہے۔"

"بیوقوف ہمیشہ اسی طرح اپنی جان گنواتے ہیں۔"

"خیر تم نے تو مرنا ہی نہیں۔ پھر بھی میں صاف صاف بتائے دیتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ میری لڑکی کی شادی ایک ایسے مرد سے ہو، جو شادی شدہ ہو۔ بدصورت ہو۔ اور جس کے بچے ہوں ——— اگر تم دونوں کا یہی فیصلہ ہے تو مجھے زہر دے کر مار ڈالو۔"

"ہمیں زہر دینے کی کیا ضرورت ہے۔ تم نے خود مرنے کا پلان تیار کیا ہے۔"

"میں مر گئی تو تمہاری کون دیکھ بھال کرے گا۔؟"

"نوکر چاکر بہت ہیں، اور اگر انہوں نے بھی بے رخی برتی تو دوسری شادی کر لوں گا۔"

"ہو چکی دوسری شادی۔ ایک میں ہی ہوں جو تمہاری دیکھ بھال کر رہی ہوں۔ کوئی اور ہوتی تو کب کی تمہیں چھوڑ کر چلی جاتی۔"

"تو اور بھی اچھا ہوتا۔"

"کیا اچھا ہوتا۔؟"

"جلدی تمہاری ایسی عورتوں سے گلو خلاصی ہو جاتی۔"

"میں کونسی بھوکی مر جاتی؟ جہاں سینگ سماتے چلی جاتی۔"

"تم کسی اور کے گھر نہیں ٹھہر سکتیں۔"

"جی! اس دنیا میں صرف آپ کا گھر ہے۔ جہاں مجھے روٹی کپڑا ملتا ہے۔ کہیں اور جاتی تو یقیناً بھوکی ہی مر جاتی۔"

"لڑنے میں تو تم ماہر ہو۔ اس سارے علاقہ میں تم سے بہتر لڑاکو عورت کوئی نہیں۔"

"اس تعریف کا بہت بہت شکریہ ! آخر میں پھر کہے دیتی ہوں ......"

"ضرور عرض کیجئے ! آپ کی آواز مجھ تک پہنچ رہی ہے۔ چلّا کر بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"اس وقت چلّا کے بات کرنی پڑے گی۔ آج سے ہر سکھ کا نام اس گھر میں نہ لینا۔! اور یاد رہے اس نگوڑے کیڑے مکوڑے کو اس گھر میں گھسنے نہ دینا۔ ورنہ میرے کریا کرم کے لئے تیار ہو جاؤ۔ !"

"کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔ ؟"

"آخری فیصلہ ہی نہیں ——— آخری فقرہ ہے!"
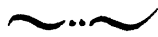
معاملہ واقعی اتنا الجھا ہوا تھا کہ سلجھانا بہت
مشکل تھا۔ کملیش اپنی ماں کو کیسے سمجھاتی؟ وہ کونسی دلیلیں
پیش کر سکتی تھی؟ جن کو سن کر اس کی ماں قائل ہو تی۔ اور
اس کا ہاتھ ہرسکھ کے ہاتھ میں دے دیتی۔ اس میں شک
کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ ہرسکھ شادی شدہ تھا ——
طلاق نہیں مل سکتی اور ہرسکھ میں اور کیا خوبیاں تھیں؟
جنکی رو سے کملیش اور ہرسکھ کی شادی ہو جاتی ....
رہی اپنی پسند کی بات یا بیسرت کی بات تو یہ دو دلیلیں ٹھوس
اور جاندار نہ تھیں۔

کسی کو پسند یا ناپسند کرنا ایک ذاتی فعل ہے۔ اور سبرت کے متعلق باقی لوگوں کو کیا علم تھا۔ ؟ جہاں تک چاہت کا تعلق تھا اس میں اتنی طاقت اور توانائی نہ تھی کہ وہ شادی، طلاق۔ رسم و رواج، دو ملکوں کی تقسیم اور تقریباً اس قسم کے ہر جذبے کو تحس نحس کر دیتا۔ کملیش کو علم تھا کہ وہ اس قسم کے جذبے سے سرشار نہ تھی۔ محض ایک ہلکی سی پسند تھی۔ نہ جانے کیوں ؟ کیا اس پسند میں رحم دلی کا جذبہ کار فرما تھا۔ ؟ یا سمجھداری کا ؟ وہ ہر سکھ کو خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ کیا وہ اس کی سیوا اور خدمت سے مرعوب تھی۔ ؟ یا اس کے دل میں رفیقانہ جذبہ تھا۔ جس کے زیر اثر وہ اتنی بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار تھی۔ دل کے نہاں خانے میں یہ کیسی تصویر ابھری تھی۔ ؟ جس نے اسے ہر سکھ کو اپنا بھائی ماننے کے لئے تیار کر لیا۔

آج جب وہ ڈسپنسری جانے کے لئے تیار ہوئی اور برآمدے سے گذرنے لگی، تو پیچھے سے اس کی ماں نے پکارا ....کملیش !"

کملیش نے مڑ کر دیکھا۔ اس کی ماں کھڑی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو ۔ ؟"

"ڈسپنسری ماں جی ۔"

"ذرا ادھر آؤ ۔ !"

دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئیں ۔

"ایک بات تمہیں صاف صاف بتانی ہو گی کملیش !"

"کہیئے ماں جی ۔ ؟"

"تمہارے پتا جی نے کہا تم ہرسکھ کو چاہتی ہو ۔ ؟"

وہ ماں کی طرف دیکھنے لگی ۔

"میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو ۔ ؟ صاف صاف جواب دو ۔ !"

"میں نے پتا جی سے کبھی یہ بات نہیں کہی ۔"

"کیا یہ بات سچ ہے ۔ ؟"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ماں ۔"

"یہ تیرا ذاتی معاملہ نہیں ہے کملیش ! میں نے جب تمہاری شادی کی بات چھیڑی ، تو تمہارے پتا جی نے کہا ۔

"جو کچھ کملیش کہے گی ہمیں اس کی رائے کا احترام کرنا پڑے گا ۔ اور انہوں نے بتایا کہ تم ہرسکھ سے شادی کرنا

چاہتی ہو۔ بتاؤ کیا یہ بات سچ ہے۔ ؟"

وہ خاموش رہی۔

"اگر یہ بات سچ ہے تو تمہیں انتخاب کرنا ہوگا۔"

"کس کا انتخاب ماں۔ ؟"

"اگر ہرسکھ سے شادی کرنا چاہتی ہو تو مجھے اپنے ہاتھوں سے زہر دیدو، اور اگر تم خود زہر نہیں دو گی، تو شادی سے پہلے میں زہر کھا کے مر جاؤں گی اور میری لاش سے گزر کر تمہیں ہرسکھ سے شادی کرنا ہوگی۔"

"ماں یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ؟"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں کملیش ! ہرسکھ کے ساتھ شادی کر کے تم اپنی زندگی تباہ نہ کرو !! بس مجھے ایک دو ماہ کا وقفہ دو۔ میں تمہارے لئے اچھا سا بر تلاش کر دوں گی۔ اس کے بعد تمہاری شادی ہوگی ـــــ"

یہ کہہ کر ماں باورچی خانہ کی طرف چلی گئی۔

بس چند دنوں کے بعد جب ہرسکھ صبح کے وقت ڈسپنسری کی طرف جانے والا تھا کہ ڈاکیئے نے اسے کارڈ دیا ـــــ کارڈ پڑھتے ہی ہرسکھ کا کلیجہ منھ کو آگیا۔ لکھا تھا۔

"آج سے آپ میری ڈسپنسری میں تشریف نہ لائیے۔
میری سگائی ہو گئی ہے۔
پرماتما کے لئے اب مجھ سے نہ ملئے !"

آپ کی
کملیش

ہرسکھ نے یہ خط پڑھا .... اور کئی بار پڑھا۔
— اور پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آخر ایک نہ ایک دن کملیش کی سگائی ہوتی۔ اسے اپنا حشر معلوم تھا۔ ذہنی طور پر وہ اس Shock کے لئے تیار تھا اسے یہ امید نہ تھی کہ کملیش کی اتنی جلدی سگائی ہو جائے گی۔ اور اس قسم کی بندشیں لگائی جائیں گی .... ملنے جلنے میں کیا ہرج تھا ؟ ہرسکھ ان آدمیوں میں سے نہ تھا۔ جو اپنی خواہش کو دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش کرتا —
اس نے اس حادثے کو خاموشی سے برداشت کر لیا —
وہ اپنے دل کا دکھ درد کس سے کہے۔ ؟ اپنی بے بسی کا اظہار

کس سے کرے ؟

کملبش ہی اس کے دکھ درد کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ ——— اس نے منھ موڑ لیا ——— کسی اور کو میری زندگی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ؟

میں زندہ رہوں یا مر جاؤں ؟ ——— کسی کو ذہنی سکون ملتا ہے یا نہیں ؟ .... کون کسی کی پرواہ کرتا ہے ؟

کملبش نے اسے کبھی نہیں چاہا۔ !

اگر کملبش کو اس سے ذرا بھی محبت ہوتی تو اس سے ضرور ملتی۔ دل کی ساری باتیں کہتی۔ اور یہ کبھی نہ کہتی۔

"کہ آئندہ کبھی نہ ملنا۔ !"

ہرسکھ نے اس بات پر کافی غور کیا کہ وہ کملبش سے مل کر ایک بار یہ بات پوچھ لے کہ نہ ملنے کی وجہ کیا ہے۔ ؟ آخر میں نے کونسا قصور کیا ہے۔ ؟ جسکی سزا یہ مل رہی ہے۔ شاید کبھی وقت آئے۔ کوئی موقع ملا تو وہ ضرور پوچھے گا۔ کیا کسی سے محبت کرنا جرم ہے۔ ؟ بالکل کسی سے دور رہ کر اس سے عشق کرنا کیا بے وقوفی ہے۔ ؟ کسی سے کچھ نہ مانگ کر۔ اس سے دو باتیں کرنے سے کسی کا کیا بگڑتا ہے۔ ؟ اگر کسی

شخص کا کسی خوبصورت چہرے کو دیکھنے کو جی چاہے اور اسے محض بدصورتی سے نفرت ہو تو کیا کرے ؟

اگر کوئی شخص اپنی حد میں رہ کر کسی سے پیار کرے تو کیا اس کی اجازت بھی نہیں مل سکتی ؟ رونے دھونے سے کچھ نہ ہوگا - چیخنے چلّانے سے کچھ نہ ہوگا ۔ اپنے درد کو دل میں چھپالو - مصیبتوں کو اکیلے سہ لو - کسی کو بتانے سے یہ مسئلہ حل نہ ہوگا کہ وہ کیا کرے ؟ یہ تو دو دلوں کی بات ہے - کوئی روٹی اور مکان کا مسئلہ تو نہیں ہے کہ اجتماعی کارروائی کی جائے - محبت مانگنے سے نہیں ملتی - کوئی ترس کھا کے تمہیں کبھی نہیں چاہے گا -

کملیش نے اپنا آخری فرمان جاری کر دیا کہ میں کبھی بھی ڈسپنسری میں نہ آؤں - اس سے ملنے کی کوشش نہ کروں فرمان اشوک کے کتبے کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے تھا - اس سے نظر بچا کے نہیں جا سکتا - اسے خود فیصلہ کرنا ہوگا کہ موجودہ صورت حال میں وہ کیا کرے ــــــ ؟ کافی سوچ بچار کے بعد ہر سکھ اس فیصلے پر پہنچا کہ اسے کملیش سے نہیں ملنا چاہیئے اور اس نے تہیّہ کر لیا کہ وہ کملیش سے ملنے کی آواز کو ہمیشہ

کے لئے کچل دے گا۔

بس اسی طرح دن، رات، بیتنے لگے۔ رات بیمار دل کی تیمارداری کرنے گذر جاتی۔ دن کا گذارنا بہت مشکل تھا۔ کمبخت نیند نہ آتی۔ رہ رہ کر کملیش کی صورت یاد آتی وہ دن جو کملیش کے ساتھ گذارے تھے، زندگی کے وہ لمحات جو اس کے ساتھ بیتے تھے۔ وہ ان لمحات کو کیسے بھول جائے؟ وقت گذارنا بھی کوئی آسان نہیں۔ زندگی گذارنے کے لئے کوئی مشغلہ چاہیئے۔ لوگ شادی کرکے اپنی زندگی ایک ڈھرے پر لگا لیتے ہیں.......... اس نے شادی بھی کر لی تھی۔ دو بچے بھی تھے۔ باپ کہلاتا ہے۔ پھر بھی زندگی میں ایک عجیب بے ترتیبی سی ہے۔

کمرہ اس طریقے سے دکھائی دیتا ہے جیسے ایک شمشان گھاٹ ہے۔ جہاں اس کی محبت کی شمع جلتی رہتی ہے—— ایک عجیب قسم کی بے حسی۔ اداسی اور دردناک قسم کی بے اس کے کمرے سے نمایاں تھی۔ آجکل تو اس کے دل میں ایک ہی خواہش تھی۔ کہ وہ کسی طرح کملیش سے ایک بار ملے، اور اس سے پوچھے کہ اتنا ظلم ڈھاتے ہوئے تمہارا دل کیوں نہیں

لرزتا ؟ تمہاری روح کیوں نہیں کانپتی ؟ کبھی راہ میں
مل جائے تو وہ کملیش کے مکان پر کبھی نہیں جائے گا۔ ابھی
اس چھوٹی سی خلش کو بڑی آسانی سے مٹا سکتا تھا......
اس کے گھر جاکر۔ !

ہر سکھ اپنی دھن کا پکا تھا۔ جو کچھ کملیش نے کہا تھا۔
اسی پر کاربند رہے گا۔ وہ خود اسے مل گئی تو بات کرے گا۔
مگر اس سے ملنے نہیں جائے گا۔ اسے تو اب اس کمرے
سے نفرت ہوگئی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ وہ اس شہر سے بھاگ
جائے۔ کسی اور جگہ جاکر اپنا آشیانہ بنائے ـــــــ
اس شہر میں کملیش رہتی ہے...... یہیں پر کملیش کی
شادی ہوگی۔ جس سے کملیش کی شادی ہو رہی تھی۔ وہ کیا
کرتا تھا ؟ کتنا کماتا تھا ؟ اس کی شکل و صورت کیسی تھی ؟
وہ کس سے پوچھے...... ؟ کون بتائے گا........ ؟ طرح
طرح کے خیالات اس کے دماغ میں آرہے تھے۔ وہ ان
خیالات سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ مگر یہ خیالات
ایک طوفان بن کر اس کا تعاقب کر رہے تھے۔
ان سے بچنے کی لاکھ کوشش کرتا۔ ہر کوشش بیکار ثابت

ہوتی۔ اسی دوران میں کئی بار وہ ویدمانک لال سے ملا۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر خاموشی سے آگے بڑھ جاتے۔ آج جب ہرسکھ دفتر میں گیا تو مانک لال نے کہا۔

"بیٹھئے ہرسکھ جی!"

ہرسکھ بیٹھ گیا۔

"آپ کچھ اداس نظر آتے ہیں۔؟"

"کملیش کماری کو یہاں آئے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔"

"جی ہاں۔"

"سنا ہے کہ اسکی سگائی ہو گئی۔؟"

"جی میں نے بھی یہی خبر سنی ہے۔!"

"اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ کملیش کماری کی جلد شادی ہو گی۔؟"

"جسکی سگائی ہوتی ہے۔ اسکی شادی ایک نہ ایک دن ضرور ہو گی۔" اس نے چڑ کر کہا۔

"آپ کو معلوم ہے۔ لڑکا کیا کرتا ہے۔؟"

"جی نہیں۔!"

"سنا ہے اس کے باپ کی ایک فیکٹری ہے۔؟"
"مجھے اس لڑکے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔!"
"میں بتا رہا ہوں نا۔"
"شکریہ!"
"دیکھئے میں ایک بات عرض کردوں؟"
"شوق سے کہئے۔"
"آپ کملیش کماری کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیں۔"
"یہ آپ سے کس نے کہا۔؟ کہ میں کملیش کماری کے بارے میں سوچتا ہوں۔"
"آپ کے چہرے سے دکھائی دیتا ہے کہ آپ اداس ہیں۔"
"کیا انسان صرف عشق ہی میں اداس ہوتا ہے۔؟ اسے اور کوئی غم نہیں ہو سکتا؟"
"اس عمر میں اور کیا غم ہے آپ کو۔؟"
"مجھے اس بات کا رنج ہے کہ آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر اتنی باتیں کرلیں۔ اور میں نے آپ کو اس بات کی اجازت

دی کہ آپ اس موضوع پر بات کریں۔ جس کے بارے میں
میں خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔"

"یہ خاموشی آپ کو تباہ کر دے گی۔!"

"اپنی تباہی اور بربادی کا میں ذمّہ دار ہوں۔
میں نے آج تک آپ کے ذاتی معاملات میں کبھی کوئی دخل
نہیں دیا۔ میں نے آج تک کبھی آپ سے یہ نہ پوچھا کہ اس
ڈسپنسری میں کام کرنے کے علاوہ آپ اور کیا کرتے ہیں۔؟"

"آپ پوچھ سکتے ہیں۔!"

"پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے مانک لال جی۔؟
جبکہ ہم دونوں کا مزاج نہیں ملتا۔ پھر دونوں کی سوجھ بوجھ
کی راہیں مختلف ہیں۔ ہاں ہم دونوں میں صرف ایک چیز
مشترک ہے۔ کہ ہم دونوں وبد ہیں۔"

"آپ بات کو یوں ہی طول دے رہے ہیں۔ میں نے
آپکی بہتری کے لئے مشورہ دیا تھا۔"

"آپ مجھ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں محبت کی
بازی ہار گیا۔؟"

"آپ اپنی شکست کا اعتراف خود کر رہے ہیں۔"

"آپ تو ضرور خوش ہوں گے میری شکست پر۔ ؟"

"کیا آپ مجھے فرشتہ سمجھتے ہیں۔ ؟"

"جی نہیں۔ !"

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کملیش کماری کبھی اچھی نہیں لگی۔ ؟ یا اسے دیکھ کر میرے دل میں کوئی خواہش پیدا نہ ہوئی ؟ یا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں صرف ورزش کرنے کے قابل ہوں۔ اور میری صحت کا میرے احساسات اور جذبات سے کوئی تعلق نہیں ؟ یا آپ اپنے آپ کو یوسف ثانی سمجھتے ہیں کہ جو لڑکی آپ کو دیکھے گی، آپ پر فوراً عاشق ہو جائے گی۔ ؟"

"میں نے تو یہ کبھی نہیں سوچا۔ بلکہ میں یہ کہنے کو تیار ہوں کہ آپ تو اچھے خاصے خوبصورت آدمی ہیں۔"

"آپ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ ؟"

"کیا میں اپنی رائے کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ ؟"

"مجھے آپ کی رائے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ !"

"اگر آپ اجازت دیں تو جو کچھ لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔ وہ بیان کر دوں۔ ؟"

"جی نہیں ! وہ باتیں مجھ سے کہنے کی ضرورت نہیں !! اچھا آپ جا سکتے ہیں !!!"

اس جھڑپ کے بعد ہرسکھ کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ وید ہانک لال، کملیش کماری سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ورنہ ان کے لئے اس طرح لڑنا مناسب نہ تھا۔ ہرسکھ نے کافی تیز اور تلخ جملے کہے تھے۔ یوں ہانک لال ایک عرصہ سے بھرا بیٹھا تھا ——— وہ چاہتا تھا کہ کوئی موقع ملے، تاکہ وہ ہرسکھ کو کھری سنا سکے۔ ہرسکھ نے ایک لمحہ کے لئے غور و سوچا کہ اگر میرے دل میں کملیش کماری کے لئے محبت کے جذبات ابھر سکتے ہیں تو ہانک لال کے دل میں اس قسم کے احساسات کیوں نہیں اجاگر ہو سکتے ؟

کیا حسن پرستی کی اجارہ داری اسکی ہے ؟ کوئی اور اس میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ؟ اور اسی سوچ بچار میں دن گذر گئے۔

دل پر سل رکھ کر ہرسکھ نے ہر آہ کو اپنے سینے میں قید کر لیا، اور کسی شخص سے اپنے دلی جذبات کا اظہار

نہ کیا۔ اگر کوئی قریبی دوست ہوتا تو وہ اس سے اپنے دل کی داستان کہتا ــــــ بس ایک ایسا روگ لگ گیا تھا۔ جو اندر ہی اندر اسے گھن کی طرح کھا رہا تھا۔

تقریباً چھے مہینے گذر گئے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ زندگی کی متاعِ عظیم ہمیشہ کے لئے چھن گئی ......

جیسے جینے کو جی نہ چاہتا ہو اور انسان زبردستی جی رہا ہو۔ نیند نہ آ رہی ہو اور انسان خود پر جبر کر کے سونے کی کوشش کرے۔ ہنسنے کو جی نہ چاہے۔ مگر ہنسے ضرور۔ وہ اندر ہی اندر گھٹ کے مرنا چاہتا تھا۔ ہر لمحہ وہ موت کو بلا رہا تھا۔ لیکن موت بے وقت بلانے سے بھی نہیں آتی۔

جو پابندیاں اس نے اپنے اوپر عائد کی تھیں۔ ان پر وہ سختی سے پابند تھا۔ کئی لوگ انہیں حادثوں سے دوچار ہو کر شراب پینے لگتے ہیں، اور پی کر دل کا غبار نکالتے ہیں ـــــ خوب جی بھر کے روتے ہیں۔ یا دوستوں سے لڑتے ہیں یا کسی کا فرا حسینہ کو ایک رات کے لئے خرید کر اپنے غم کو بھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا کسی شوخ چنچل

رقاصہ کا ناچ دیکھتے ہیں۔ اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو دیوار دل سے ٹکر مار کے اپنا سر پھوڑ لیتے ہیں۔ یا دوستوں کو گلے میں باہیں ڈال کر دہاڑیں مارتے ہیں۔ یا دن رات چارپائی پر لیٹے رہتے ہیں۔ یا مراسلات کا ایک سلسلہ شروع کر دیتے ہیں...... بحر حال اپنی قلبی واردات کو اپنے تک محفوظ نہیں رکھتے۔ بلکہ دوسروں پر عیاں کرتے ہیں۔

ہرسکھ نے ان میں سے کچھ نہ کیا۔ غم اور دکھ کو اپنے تک محدود رکھا۔ کسی شخص کو اپنے رنج سے آگاہ نہ کیا۔

——— اور اس طرح دن بدن اس کا نروس سسٹم خراب ہوتا رہا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا دل ڈوب رہا ہے۔ چلنے پھرنے کی سکت نہ رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ رک جاتا۔ بات کرتے کرتے وہ خاموش ہو جاتا۔ کبھی کبھی وہ خلا میں گھورنے لگتا۔ کئی بار اسے اس قسم کے دورے پڑے کہ اسے محسوس ہونے لگا کہ جیسے اس کی زندگی کا آخری دن آگیا۔

اسی دوران اسے ایک دن تیز بخار ہو گیا۔ اور سارا دن چارپائی پر لیٹا رہا۔ نہ جانے آج اسے کملیش کا رہ رہ کر کیوں خیال آرہا تھا۔ کاش اسے ایک بار دیکھنے آجاتی۔

بس زندگی کی آخری گھڑیوں میں اسے ایک بار دیکھ لیتا۔ اس کے چہرے پر ایک نگاہ ڈال لیتا ـــــ وہ مرمریں، شفّاف چہرہ۔ وہ چاند سا مکھڑا۔ جسے دیکھ کر اس کی نگاہوں میں چمک آجاتی ہے۔ دل میں ایک عجیب سرور اُمڈ آتا تھا...... کاش وہ کملیش کو آخری بار دیکھ سکتا ـــــ دن اسی امید و بیم میں گذر گیا۔ اور رات کے سائے لمبے ہونے لگے۔ یہ رات کیسے گذرے گی۔؟ یہ دکھ درد اور رنج والم کی رات۔ اتنا تیز بخار، دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس کی بیوی اس سے دور تھی، اور بچے بھی۔ اور پھر اسے اپنے ماں باپ کا خیال آیا۔ ہائے وہ سب کا تھا۔ مگر اس کا کوئی نہ تھا۔ اس وقت وہ اس دنیا میں کتنا اکیلا تھا۔ ـــ ؟ یوں کہنے کو اس کے پاس سب کچھ تھا۔ نوکری۔ گھر۔ بیوی۔ بچے۔ ماں۔ باپ۔ رشتہ دار۔ وطن۔ معقول سی تنخواہ۔ پھر بھی اس وقت اس اندھیری رات میں اس نے محسوس کیا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ بخار کتنا تیز تھا۔ شاید اور تیز ہو جائے۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اس میں آتی

ہمت نہ تھی کہ اٹھ کر گھڑے میں سے پانی لے سکے۔ پیشانی انگارے کی طرح تپ رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں جل رہے تھے اور آنکھوں میں بے پناہ تپش تھی۔ وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتا۔ آنکھیں خود بخود بند ہو رہی تھیں۔ لب سوکھ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے نیم بے ہوشی اس پر طاری ہو رہی تھی۔

اس وقت کسی کے قدموں کی آہٹ سی آئی۔ بڑی مشکل سے ہرسکھ آنکھیں کھول سکا۔ سامنے دیکھا تو کملیش کماری کھڑی تھی۔

کیا یہ واقعی کملیش تھی ـــــ؟ کیا وہ جاگ رہا تھا ......؟ یا خواب میں کملیش کو دیکھ رہا تھا۔؟ یا یہ محض اس کا وہم تھا۔؟ ہاں کملیش سامنے کھڑی تھی۔ اس کے خوابوں کی ملکہ۔ اسے یقین نہ آیا۔ اس نے آنکھیں جھپکیں، پھر کملیش کی طرف دیکھا۔ واقعی کملیش زندہ جاوید اس کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ اس کے قریب آکر چارپائی پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے ہرسکھ کے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھا ـــــ کتنا نرم نرم اور مرمریں ہاتھ تھا۔

"بخار تو بہت تیز ہے ہر سکھ ۔"

ہاں یہ کملیش کی آواز تھی ۔اس کی آواز سننے کے لئے وہ ترس گیا تھا۔

"کملیش ! تم !؟"

"ہاں ہر سکھ ۔"

"کیسے آئی ہو ۔؟"

"بس یوں ہی ملنے کو جی چاہا ۔ تو ادھر آگئی ۔"

"میرا بھی جی چاہ رہا تھا ملنے کے لئے ۔

"کب سے بخار ہے ۔؟"

"بخار تو آج ہی ہوا ہے ۔"

"لیکن بہت تیز ہے ۔"

"تم آگئی ہو ۔اب اتر جائے گا ۔"

"سر دبا دوں ۔ !"

"سر دبانے سے کچھ نہ ہوگا ۔"

"درد کہاں ہے ۔؟"

"درد تو کہیں نہیں ہے کملیش جی ۔بس بخار ہے ۔"

"بخار کیسے ہوا ؟ ملیریا تو نہیں ۔؟"

"بلیسر یا نہیں ہے کملیش جی۔ جب انسان دل کی بات دوسروں سے نہ کہہ سکے تو اندر ہی اندر زہریلا مواد بڑھ جاتا ہے۔ اور پھر بخار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔"

"کوئی دوا لی۔؟"

"اس بیماری کی کوئی دوا نہیں!"

"دوسروں کو ذرا سی بات پر نسخہ لکھ دیتے تھے۔ اپنے لئے کچھ بھی نہیں۔؟"

"اپنے لئے بہت کچھ سوچا تھا۔ مگر سوچنے سے کچھ ہوتا ہے۔؟ جب قسمت ساتھ نہ دے تو انسان کیا کرے۔؟ پیاس لگی ہے۔ پانی تو پلایئے۔"

کملیش چارپائی سے اٹھی اور گھڑے سے پانی لیکر ہرسکھ کو پلایا۔

"پرماتما آپ کی عمر دراز کرے۔ پیاسے کی پیاس بجھا رہی ہو۔!"

"اور پلاؤں۔؟"

"اتنی پیاس نہ بجھایئے کہ پیاس ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ زندگی میں کچھ تشنگی رہنی بھی ضروری ہے۔ آپ کی گنگائی

ہوگئی ـــــ ؛ مبارک ہو آپ ...... یہ کہتے ہوئے اس کا گلا
روندھ سا گیا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ جی بھر کے رو دیے۔
جذبات کی شدّت سے اس کا سینہ پھٹ رہا تھا۔ ......
وہ اس وقت کملیش سے کیا کہے ؛ بے وفائی کی تہمت نہیں
لگا سکتا ۔ بے وفائی تو وہاں ہوتی ہے۔ جہاں پہلے کسی نے وفا
کی ہو ۔ یہاں تو ایک طرفہ محبت تھی، اور وہ از خود محبت
کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس میں کسی اور کا دوش نہ تھا ۔

" اچھا کیا تم نے جو ملنے چلی آئیں ۔"
ہرسکھ نے رکتے ہوئے کہا۔

" میں شاید اس سے پہلے بھی ملنے آتی ۔ مگر مجبور تھی ۔"

" یہ کس قسم کی مجبوری تھی کملیش ۔ ؟"

" ماں جی سے آج بھی یہ کہہ کر آئی ہوں کہ میں کسی
سہیلی سے ملنے جا رہی ہوں ۔ "

" آنے کی وجہ ۔ ؟"

" بس یوں ہی جی چاہا ۔"

" کیا اس سے پہلے دل نے کبھی نہیں کہا کہ ہرسکھ
سے ایک بار مل لو ۔ ؟"

"کملیش خاموش رہی ۔"

"کوئی نیا فرمان ؟ یا حکم ؟"

"ڈرتی ہوں کہیں آپ کا بخار اور تیز نہ ہو جائے ۔"

"جب ہمیشہ کے لئے کسی کو پانے کی آس ٹوٹ جاتی ہے ۔ تو رفتہ رفتہ انسان نارمل ہو جاتا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات سنکر میرا بخار بالکل اتر جائے ۔ ؟"

"اس وقت یہ کہنے کا موقع تو نہیں ۔ جبکہ آپ کو اتنا تیز بخار ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اس بخار کی پروا نہ کیجئے ! میں اس وقت ہر بات کو برداشت کر لوں گا ۔"

"اس کی وجہ ؟"

"تم میرے سامنے ہو ۔ !"

"میں کہنے والی تھی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" وہ فوراً خاموش ہو گئی ۔

"کملیش جی یقین رکھیئے ۔ یہ دل ہر بات سہہ لے گا ۔ جو ہونا تھا ۔ ہو گیا ۔"

"ایک چھوٹی سی التجا ہے ۔" کملیش نے مہین سی

آواز میں کہا۔

"میرے لئے تمہاری التجا، حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ کملبش!"

"آپ میری شادی میں تشریف نہ لائیے۔ آپ وعدہ کیجئے کہ آپ نہیں آئیں گے۔!"

وہ خاموش سا ہو گیا۔ بھلا اسے شادی میں شریک ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ طوفان کو دور سے بیٹھ کر دیکھ لے گا۔ نزدیک جاکر کیا کرے گا۔؟ وہ اس شادی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ اتنی ہمت اس میں کہاں تھی۔؟ اتنا وسیع القلب وہ کہاں تھا کہ جس کو وہ چاہتا ہو۔ اسے کسی غیر آدمی سے بیاہا جا رہا ہو اور وہ قریب کھڑا ہو کر یہ منظر دیکھتا رہے۔ کاش وہ انسان نہ ہوتا۔ دیوتا ہوتا۔

"آپ وعدہ کیجئے کہ آپ نہیں آئیں گے۔؟"

"کملبش جی میں نہیں آؤں گا۔ پرماتما کی قسم کبھی نہیں آؤں گا۔ اگر تم آنے کی دعوت بھی دیتیں جب بھی نہ آتا ـــــــ میرے اندر اتنی طاقت کہاں ہے کہ

میں اس منظر کو دیکھ سکوں ؟ جس کا میں خود متلاشی تھا۔ میں سمجھتا ہوں۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے کہنے کا مجھے ادھیکار نہیں ہے۔"

" ادھیکار تو آپ کو ہے۔"

" میں نے ایک بار ایک خواب دیکھا تھا۔"

" کیسا خواب۔ ؟"

" انسان خواب نہ دیکھے تو بڑی جلدی مر جائے۔ انہیں خوابوں کے سہارے انسان ساٹھ ستّر برس کی عمر کاٹ لیتا ہے ــــــ عرض کر دوں۔ ؟"

" ہاں ہاں ! کہہ ڈالئے۔"

" اس لئے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دوبارہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔"

" اور کہیں دل کی بات دل میں نہ رہ جائے۔ ؟ کہئے......"

" کملیش جی ! اس میں رتی بھر جھوٹ نہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ بے انتہا محبت کرتا ہوں۔ اٹھتے

بیٹھتے، سوتے جاگتے۔ تمہارے بارے میں سوچا ہے۔ تمہیں پوجا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ تم میری کبھی نہیں ہوسکتیں میری محبت یک طرفہ ہے۔ اور تمہیں حاصل کرنا ——— جوئے شیر کو لانا ہے۔ پھر بھی تمہیں پانے کی تمنا شعلے کی طرح میرے دل و دماغ میں لپکتی رہی۔ یہ عجیب و غریب سی آرزو۔ جس نے مجھے ہر چیز سے بیگانہ کر دیا۔ اور زندگی ہر لمحہ تمہاری یاد میں گذارتا رہا۔ اور آجکل ایک ایسی خواہش کے زیر اثر جی رہا ہوں۔ جو کبھی پروان نہیں چڑھ سکتی۔ کاش میں نے تمہیں دیکھا نہ ہوتا۔ تو زندگی بڑے آرام سے گذرتی۔"

"میں اس جذبے کی قدر کرتی ہوں ہرسکھ۔"

محض قدر کرنے سے کیا ہوتا ہے کملیش جی! میں نے تو ایسا روگ لگا لیا ہے۔ جو زندگی بھر ساتھ دے گا۔ اپنے آپ کو سمجھانے کے باوجود، میرے دل کی ہر دھڑکن تمہیں پکارتی ہے۔ اور میں اس کا صلہ نہیں چاہتا۔ کیوں کہ یہ میری تمنّا ہے۔ میری خواہش ہے ——— بڑی بے رحم خواہش ہے میری .... کاش میں آپ کو بھول سکوں آپ نے تو مجھے ہمیشہ کے لئے بھلا دیا۔"

"کسی کے دل میں کسی کسی یاد رہتی ہے یا ہمیشہ کے لئے مٹ جاتی ہے۔؟ یہ تو وقت ہی بتا سکے گا ہرسکھ۔" یہ کہہ کر کملبش اٹھی اور پھر کہا۔

"دوا ضرور لیجئے گا۔"

"اب تو میرے لئے دعا کیجئے کملبش جی۔"

اور وہ سر جھکائے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

~~..~~
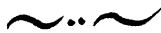
دوسرے دن صبح بخار بہت کم تھا۔ صبح ہوتے ہی جنیا بائی اس کے کمرے میں آئی۔ جنیا بائی کبھی اس کے کمرے میں آتی تھی۔ ہسپتال میں آیا کا کام کرتی تھی۔ ہر سکھ کو بیمار دیکھ کر کہنے لگی۔

"اتنا تیز بخار تھا، مجھے بلوایا ہوتا۔"

"بخار تو اتنا زیادہ نہیں ہے جنیا ——— بس آجکل جینا مشکل ہو گیا ہے۔"

"اس سے پہلے میں آپ سے کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ آپ کا کمرہ صاف کر دیا کروں۔ مگر آپ کبھی مانتے ہی نہیں۔

آج سے میں اس کمرے کو صاف کروں گی اور روز کروں گی!
آپ کا کھانا پکاؤں گی۔ اور آپ کی دیکھ بھال کروں گی۔"

"اور ہسپتال کا کام؟"

"وہ بھی کروں گی۔"

ہرسکھ نے کمرے کو بغور دیکھا۔ واقعی کباڑیے کی دوکان کی طرح گندہ اور بے ترتیب تھا۔ کوئی چیز ٹھکانے سے نہ رکھی ہوئی تھی۔ ہوٹل کا کھانا کھانے سے وہ تنگ آگیا تھا۔ اور پھر بیماری میں دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔

جینیا ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ بالکل سفید ساری پہننے کا شوق تھا۔ جسم کے گرد ساری کو اچھی خاصی کس کر لپیٹتی۔ تاکہ جسم کا تناؤ اور موڑ ابھر سکیں۔ چہرے پر ایک عجیب قسم کی معصومیت تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی سی۔ باتوں میں عیاری اور چالاکی نہ تھی۔

ہرسکھ نے 'ہاں' کردی۔ اور اس دن سے جینیا بائی نے ہرسکھ کے کمرے میں آنا جانا شروع کردیا ۔۔۔۔۔۔
وہ ہر روز اس کے کمرے میں آتی۔ اس کا کمرہ صاف کرتی۔

اس کے کپڑے دھوتی۔ اور اکثر کھانا بھی پکا کر کھلاتی جینا کی بے لوث محبت نے اسے اچھا خاصہ سہارا دیا ــــ وہ زندگی سے بیزار تھا۔ بس جینا بائی کی دیکھ بھال نے اسے زندہ رہنے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ دن قریب آ گیا۔ جس دن کملیش کماری کی شادی تھی۔ شادی سے ایک دن پہلے کملیش کماری کا خط ملا۔

لکھا تھا:۔

"شادی پر تشریف نہ لائیے۔ .... اور مجھ سے ملنے کی بھی کوشش نہ کیجئے ــــ

براہِ کرم!

کملیش"

کملیش کی شادی کل ہو گی۔ کل وہ اس شہر میں ہو گا۔ ؟ کل اسی شہر میں برات آئے گی۔ دولہا گھوڑی پر چڑھ کر آئے گا۔ اور کل کی رات کملیش ہمیشہ کے لئے دوسرے کی ہو جائے گی۔ جس آس پر وہ زندہ تھا۔ وہ امید ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے گی۔ وہ کملیش کو کبھی نہ

دیکھ سکے گا۔

خیر اچھا ہی ہوا کہ کملیش نے خود آکر کہہ دیا۔ کہ میں اس کی شادی میں شریک نہ ہوں۔ میرا اور کملیش کا کیا رشتہ ہے۔۔۔۔؟ پہلے بھی کیا تھا ......؟

اب مجھے کملیش کو ہمیشہ کے لئے بھول جانا چاہیئے۔ یہی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ آج اسے اپنی بے بسی کا بڑی شدّت سے احساس ہوا۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے دل میں کملیش کے لئے کتنی محبت ہے؟ وہ اس شادی کو نہیں روک سکتا۔ اس کے ذہن میں بہت سی ہندوستانی فلمیں گھوم گئیں۔ جو اس نے دیکھی تھیں۔ جن میں ہیرو ہیروئین کی شادی فوراً رکوا دیتا ہے۔ لیکن اس وقت کوئی ترکیب، کوئی طریقہ اور کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی۔

آج کا دن گذر گیا۔

شادی کی رات آگئی۔

شادی کی رات گذر گئی۔

کملیش کی شادی ہوگئی۔

اس رات ہر سکھ نہ رویا۔ نہ ہنسا۔ ساری رات بیماروں کی تیمارداری کرتا رہا۔ وہ رونا چاہتا تھا ــــ زور زور سے ہنسنا چاہتا تھا۔ مریضوں سے کہنا چاہتا تھا۔ "کہ اے میرے رفیقو! آج میری تیمارداری کرو۔! میرے زخموں پر مرہم لگاؤ!!" مگر وہ خاموشی سے ان کی خدمت کرتا رہا۔ وہ جانتا تھا اگر اکیلا وہ کمرے میں رہا تو شاید غم کے مارے اس کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔ اسی لئے وہ تمام رات وارڈ میں رہا۔ اور جب وہاں سے فرصت ملتی، تو دفتر میں آکر کرسی پر بیٹھ جاتا ــــ کاش جلدی صبح ہو جائے، تاکہ وہ سورج کا منھ دیکھ سکے۔ اسکی زندگی میں یہ سب سے لمبی رات آئی تھی۔

~ ... ~
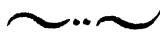
کملیش کی شادی ہوئے چھے ماہ ہو چکے تھے۔
اس عرصہ میں اس نے کتنی بار چاہا کہ وہ کملیش
سے ملے۔
ہر بار کملیش کے الفاظ یاد آجاتے۔
"مجھ سے ملنے کبھی نہ آنا۔!"
اس کے قدم کتنی بار کملیش کے گھر کی طرف بڑھے۔
لیکن ہر بار ایک جگہ آکر اس کے قدم رک جاتے ———
وہ رستہ میں بھی کبھی نہیں ملتی۔ اسے ایک بار اور دیکھ
لوں۔

دلہن بن جانے کے بعد وہ کیسی دکھائی دیتی ہے ۔ ؟
آخر دیکھنے میں کیا ہرج ہے ۔ ؟
کسی کا کیا بگڑتا ہے ۔ ؟

یہ دل کتنا بے غیرت ہے ــــ کملیش تجھ سے
دور رہنا چاہتی ہے ۔ اور تو اس کی صورت دیکھنے کے لئے
مارے مارے پھرتے ہو ۔ ؟

وہ تمہارے سائے سے دور بھاگتی ہے ۔ اور تمہاری
نگاہیں اس کی متلاشی ہیں ۔ ؟

دل کو لاکھ سمجھاؤ نہیں مانتا .... بیوقوف !
آخر کملیش سے تیرا کیا رشتہ ہے ۔ ؟

اب تو اس کی شادی ہو گئی ہے ــــ یہ سوچتے
ہوئے وہ سڑک پار کر رہا تھا ۔ کہ سامنے سے کملیش ایک مرد
کے ساتھ آتی ہوئی دکھائی دی ۔

ہاں یہ کملیش کا خاوند ہوگا ۔
اور کون ہو سکتا ہے ۔ ؟

وہ جلدی سے دوسری گلی میں ہو لیا ۔
اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا ۔ اور سانس

بھول رہی تھی۔

یہ کیسی محبّت تھی۔؟ جو اس نے کملیش سے کی تھی۔ اگر کملیش کے دل میں اس کے لئے ذرا بھی پیار ہوتا تو وہ کسی اور سے شادی نہ کرتی ـــــ اِن خیالات کے آتے ہی وہ اپنے آپ کو کوسنے لگا۔

کملیش نے شادی۔ اپنی ماں کو خوش کرنے کیلئے کی تھی۔

ہو سکتا ہے یہ سب کچھ جھوٹ ہو۔؟

کملیش نے تجھے کبھی نہیں چاہا۔

تم نے کملیش کو چاہا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ اداسیوں کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ اور ان گہرائیوں سے ایک واقعہ .... روشنی کے مینار کی طرح ابھر آیا۔

یہ شادی سے پہلے کی بات ہے۔ جب کملیش اور اس کی لڑائی ہوئی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے بولنا بند کر دیا تھا۔ دو مہینے تک دونوں ایک دوسرے

کے قریب سے گذر جاتے، اور ایک دوسرے سے بات نہ کرتے اور پھر ایک دن کملیش نے اسے بلا کر پوچھا۔

"آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں۔ ؟"

"بالکل نہیں۔ !" ہر سکھ نے کہا اور یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"جانتے ہو میرا کام اس ہسپتال میں کب سے ختم ہو چکا ہے اور میں ہر روز تمہارے لئے آتی ہوں۔ ؟"

"آپ میرے لئے مت آئیے گا۔ !"
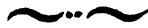
گذرے ہوئے زمانے کی یادیں .... بھولی
بسری باتیں ۔
کچھ حماقتیں ، کچھ ہنسی پیار کی باتیں ۔ کچھ مسکراہٹیں ۔
اب تو ہر چیز ختم ہو گئی تھی ۔
صرف ایک بات سورج کی طرح چمک رہی تھی ۔
ـــــ کہ .... کملیش کی شادی ایک دوسرے آدمی
سے ہو چکی ہے ۔
کملیش نے جو کچھ کہا تھا ۔ سب جھوٹ تھا ۔ اس
میں کوئی سچائی نہ تھی ۔ اس کے پیار میں دھوکا تھا ۔ جو پیار

اس کے دل میں تھا ـــــــ اس کا کیا ہو گا۔ ؟
نا امیدی کے بھنور سے اگر کسی نے شمع امید روشن
تو وہ صرف جنیا بائی کا خلوص اور پیار تھا۔ اگر جنیا
بائی ان دنوں اس کے قریب نہ آتی تو وہ موت کے منہ میں
چلا جاتا۔ جنیا بائی نے اس بے ترتیب کمرے کو صاف
ستھرا کر دیا۔ ٹوٹی ہوئی چارپائی کی جگہ ایک اچھی چارپائی
لے آئی۔ گندے گھڑے کی جگہ ایک نیا گھڑا۔ تقریباً ہر روز
کمرے میں جھاڑو دیتی۔ صبح اور شام کھانا پکا کر کھلاتی اور
ہسپتال میں کام کرتی۔ ایک دن تو وہ ہرسکھ کی پھٹی ہوئی
قمیص کو دیکھ کر بے حد خفا ہوئی۔
"کیا آپ کے پاس اتنے روپے نہیں کہ قمیص کا
کپڑا بھی خرید سکیں۔"
اس نے اپنی قمیص کی طرف دیکھا۔ واقعی قمیص
کا کالر پھٹ گیا تھا۔ کسی بھی ویدیا ڈاکٹر کو اس قسم کی
قمیص نہیں پہننی چاہیئے۔
دوسرے دن ہرسکھ نے کیا دیکھا کہ جنیا بائی کے
ہاتھ میں قمیص کا کپڑا تھا۔

"یہ کپڑا کس کے لئے لائی ہو۔؟"

"آپ کے لئے۔"

ہرسکھ نے کپڑے کے ڈیزائین کو دیکھا۔ بڑا خوبصورت ڈیزائین تھا۔ اور کپڑا بھی نفیس تھا۔

"کتنے کا ہے۔؟" اس نے دس کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔

"میں روپے نہیں لوں گی۔ میری طرف سے یہ تحفہ قبول کیجئے!" جنیا بائی نے پلو سے اپنا سر ڈھانپ لیا۔ ہرسکھ نے پھر روپے دینے کی کوشش کی مگر جنیا بائی نے روپے نہیں لئے ——!

اور اسی طرح جنیا بائی اس کی خدمت کرتی رہی۔ کسی کسی دن تو کھانا اتنا لذیذ ہوتا کہ اسے کملیش کماری کی یاد تازہ ہو جاتی۔ کیونکہ کئی بار کملیش کماری اپنے گھر سے کھانا لاکر اسے کھلا چکی تھی۔

شام کو جب جنیا بائی نے کھانا پروسا اور کھانا کھاتے جب ہرسکھ رائے گاجر کا حلوہ کھانے لگا تو اچانک اسے کملیش کی یاد آگئی۔

"یہ گاجر کا حلوہ بہت مزے دار ہے جنیا ــــ!
ایک دو بار کملیش جی نے کھلایا تھا۔ اس کا مزہ تو بالکل ایسا ہی تھا۔"

ہرسکھ نے جنیا بائی کی طرف دیکھا۔ تعریف کے چند جملے سنکر وہ بے حد خوش ہوئی۔ اور اس کے رخسار تمتما اٹھے۔

"اور کھائیے نا۔"

"بس اب جی بھر گیا۔"

اور اس طرح باتوں ہی باتوں میں کئی بار ہرسکھ کی زبان پر کملیش کماری کا نام آتا اور جنیا بائی اس نام کو سن کر خاموش سی ہو جاتی۔ ایک بار نہ جانے ہرسکھ کو کیا سوجھی کہ وہ جنیا بائی سے کہنے لگا۔"

"آج پلیے، ہم پر چلیں گے۔"

"کہاں ــ؟"

"نہر والے باغ کی سیر کریں گے۔"

"بابو جی مجھے آپ کا کمرہ صاف کرنا ہے۔ اور پھر ہسپتال میں ...."

"ایک دن کام نہ کیا تو کونسی قیامت آجائے گی۔ ؟
ایک دو سبزیاں اور پراٹھے پکا لو۔ !"
جنیا بائی انکار نہ کر سکی۔ ڈیڑھ گھنٹے میں اس نے سارا کھانا تیار کر لیا۔ اور دونوں نہر والے باغ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب باغ میں پہنچے تو دوپہر ہو چکی تھی۔ وہ ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔
جب کھانا کھا لیا تو ہرسکھ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر نہر کے کنارے چلا گیا۔ اور اسی جگہ گھومتا رہا۔ جہاں آج سے دو سال پہلے کملیش اور وہ گھوما کرتے تھے۔ آج اور خاص کر اس وقت اسے کملیش کی یاد ستانے لگی۔ اکیلے پن سے گھبرا کر وہ پھر باغ کی طرف لوٹا۔ اور گھاس کے اس قطعے کے قریب پہنچا۔ جہاں ایک شام کملیش بیٹھی تھی ہائے یہ جگہ ــــــ ؟ گھاس کا یہی قطعہ تھا۔ پھولوں کی یہی جھاڑی تھی اور شاید اسی ٹہنی سے پھول ٹوٹ کر کملیش کے سینے پر گرا تھا۔ اور وہ کملیش کے حسن سے متاثر ہو کر اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھا تھا۔
وہ کافی دیر تک ماضی کے اس حسین منظر کو اپنے ذہن

بیں اجاگر کرتا رہا۔ اس طرح گھومتے پھرتے شام ہوگئی۔ مغرب میں سورج غروب ہوگیا، اور آسمان پر شفق پھیل گئی۔ آج وہی باغ تھا۔ وہی پھول تھے۔ وہی ریشمی گھاس تھی۔ وہی فضا تھی۔ اور ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اس وقت ہرسکھ نے محسوس کیا۔ اگر اس وقت کملیش یہاں ہوتی تو یہ منظر کتنا قابل دید اور حسین ہوتا ــــــ بس ایک انسان کے چلے جانے سے ساری زندگی اجاڑ اور ویران ہو جاتی ہے۔ کتنی بے لطف اور بدمزہ ہو جاتی ہے۔!

اس وقت وہ بے حد اداس تھا کہ سامنے سے جنیا بائی آتی ہوئی دکھائی دی۔

"چلئے گھر چلیں۔"

اس نے جنیا بائی کی طرف دیکھا۔ یہ بھی عجیب عورت تھی۔ اتنا خلوص اور اتنا ایثار اچھا نہیں ہوتا کہ دوسرے اس کا بدلہ نہ چکا سکیں۔

"چلئے نا!"

اور دونوں گھر کی طرف چل دیئے۔

~...~

انہیں دنوں گلشن اپنے بیٹے سے ملنے آیا۔
اب گلشن کی صحت کافی خراب ہو چکی تھی۔ سر کے سارے بال سفید ہو چکے تھے۔ آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔ گال اور پچک گئے تھے ـــــ دانتوں کے نکلوا دینے سے منھ اتنا پوپلا ہو گیا تھا کہ گفتگو کرتے ہوئے کبھی ان کی بات سمجھ میں نہ آتی۔ کھانسی اور زکام میں بارہ مہینے مبتلا رہتے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد، جب دونوں باپ بیٹے نے گفتگو کا آغاز کیا تو گلشن نے کہا۔

"بیٹا اب تو اپنی بیوی اور بچوں اپنے پاس بلا لے۔

جو کچھ ہونا تھا ۔ وہ تو ہو چکا ۔"

"میں نہیں چاہتا کہ اس سے آگے اور کچھ ہو پتاجی ۔"

"بیٹا اس میں تمہاری بیوی کا کیا قصور ہے؟ اگر قصور ہے تو میرا ہے ۔ لڑکی کا انتخاب میں نے کیا تھا مصیبتیں تم دونوں اٹھاؤ! تیرے بچے ـــــ تیری محبت سے محروم رہیں؟ یہ کہاں کی عقل مندی ہے ہرسکھ؟"

"مصیبتیں تو میں بھی جھیل رہا ہوں پتاجی ۔"

"اگر تو اپنی بیوی کو یہاں بلالے گا تو تیری بہت سی مصیبتیں کم ہو جائیں گی ۔"

"مصیبتیں کم نہیں ہوں گی پتاجی اور بڑھ جائیں گی ـــــ وہ صرف بدصورت ہی نہیں پتاجی، بدسیرت بھی ہے ۔ میں سچ کہتا ہوں پتاجی، مجھے بدصورتی سے اتنی نفرت نہیں، جتنی اس عورت سے جو بدسیرت ہو ۔ میں نے جتنے دن اپنی بیوی کے ساتھ گزارے مجھے اس کے مزاج کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا ۔ اسے اگر کسی سے محبت ہے تو صرف اپنی ذات سے اور تھوڑی بہت محبت ہے تو اپنے بچوں سے ۔ بس اور کسی

ت اسے سروکار نہیں۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو میں اس کے خط دکھا دوں جو اس عرصے میں اس نے مجھے لکھے۔ یہ خطوط اس کے کردار پر اچھی طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ ان خطوط میں اس نے آپ کو گالی دی ہے۔ میری ماں کو گالیوں سے نوازا ہے۔ میرے بھائیوں کو برا بھلا کہا ہے، اور مجھے خود غرض، دیوانہ، اور بے وقوف کہا ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو ہرسکھ! کہاں ہیں وہ خط؟"

ہرسکھ نے الماری کھولی اور پندرہ بیس خط اپنے نپا کے سامنے پھینک دیئے۔

"اگر یقین نہ ہو تو انہیں پڑھ لیجیئے۔!"

"میں انہیں پڑھ کر کیا کروں گا۔ آج تک نہ وہ مجھ سے لڑی۔ نہ تمہاری ماں سے جھگڑی۔"

"پتاجی وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ میں آج تک اسے اپنا نہ سکا۔ اگر اسے اس بات کا یقین ہو جائے کہ میں اسے یہاں بلا لوں گا۔ پھر دیکھیئے گا اس کے ہاتھ۔؟"

"کیا کرے گی وہ۔؟"

"جو خود غرض اور کمین عورتیں کرتی ہیں۔"

"خود غرضی اور کمینگی صرف عورتوں میں ہوتی ہے ہر سکھ ؛ مردوں میں بھی ہوتی ہے۔ !"

"مرد پھر بھی فراخ دل ہوتا ہے۔ عورت صرف یہ چاہتی ہے کہ اس کا خاوند صرف اس کے لئے جئے۔ ایک مشین کی طرح کام کرے۔ اپنے تمام فرائض بھول جائے۔ اپنے دوستوں۔ رشتہ داروں سے منھ موڑ لے۔ اور دن رات اپنی بیوی اور بچوں کے لئے کماتا رہے۔ اور انہیں کی دیکھ بھال کرے۔ !"

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ہر سکھ ! ہر عورت اپنا گھر بسانا چاہتی ہے۔ اگر تمہاری بیوی اس بات کی تمنا کرتی ہے۔ کہ تم صرف اس کے ہو کے رہو۔ تو اس میں کیا برائی ہے۔ ؟"

"مجھے خود غرضی سے سخت نفرت ہے نپا جی۔ میں صرف اپنی بیوی کے لئے زندہ رہنا نہیں چاہتا —— میں صرف اپنے بال بچوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا ...... میرے کچھ اور بھی فرائض ہیں۔ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں۔ میری ماں سوجی سکھی رہے، اور جہاں تک ہو سکے میں اپنے باپ کی بھی خدمت کر سکوں۔ اپنے بھائیوں اور بہنوں کا بھی خیال رکھوں۔ ! ہاں جہاں تک بیوی اور بچوں کی نگہداشت کا تعلق ہے۔

میں نے اس میں کبھی کوتاہی نہیں ہوتی۔ اور مجھے افسوس بھی ہے۔
—— کیا کروں؟ ...... میرے اور میرے بیوی بچوں
کے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی ہے۔ جسکے پھاندنا آسان
نہیں۔ مجھے معلوم ہے میں اپنی بیوی سے نباہ نہ سکوں گا۔ میں نے اس
مسئلے پر بہت غور کیا —— اور غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا
ہوں کہ ہر ماہ روپے بھیجتا رہوں اور جہاں تک بچوں کی پڑھائی
کا تعلق ہے۔ اس کی ذمہ داری بھی مجھی پر ہے۔"
"جب تک زندہ رہوں گا۔ اپنے بچوں کی ہر مانگ کو پورا
کرتا رہونگا۔!"
"تمہارے فیصلے سے مجھے اتفاق نہیں۔ میری دلی خواہش
یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس بلا لو اور اپنے بچوں کی خود دیکھ
بھال کرو۔!"
"مجھے مجبور نہ کیجئے پتا جی۔!"
"اچھا تو کم سے کم اپنی ماں سے ملنے آؤ! وہ تمہیں
بہت یاد کرتی ہے۔ اور یاد کر کے آنسو بہاتی ہے۔ تم اتنے
سنگ دل نہ بنو بیٹا۔!"
"ماں جی کی صحت کیسی ہے۔؟"

"پہلے سے بہت کمزور ہوگئی ہے۔"
"انہیں کسی ٹانک کا استعمال کرنا چاہیئے۔!"
"سمجھتا ہوں۔ ! مگر مانتی نہیں ہرسکھ۔"
"کیا میں اور روپے بھیج دوں۔ ؟"
"نہیں بیٹیا ! جتنے روپئے بھیجتے ہو، اس سے گھر کا گذارہ چل جاتا ہے ـــــ ہم تو اپنی ذات پر زیادہ روپے خرچ نہیں کرتے۔ بس دو وقت کا کھانا مل جائے تو کافی ہے۔ ہم نے دنیا دیکھ لی۔ بس اپنا جی تو بھر گیا۔ اب تمہاری باری ہے۔ خوب کھاؤ پیو اور موج اڑاؤ۔"

یہ کہتے کہتے ہرسکھ کے تپا خاموش ہو گئے۔ ہرسکھ نے اپنے تپا جی کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں نیند سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

تقریباً ایک ہفتے ہرسکھ کے تپا ٹھہرے۔ تقریباً ہر روز اسی بات پر بحث ہوتی رہی کہ تم اپنی بیوی اور بچوں کو بلوا لو! لیکن ہرسکھ نہ مانا اور آخر کار ہرسکھ کے تپا کو واپس جانا پڑا۔

ہرسکھ جانتا تھا، جو کچھ ہو رہا تھا ـــــ وہ اس کا اپنا کیا دھرا تھا .... اس میں کسی دوسرے کو دوش

دینا غلطی ہوگی۔ اس کی بیوی بدصورت تھی تو اس میں اسکی بیوی کا کیا قصور تھا۔؟

ہاں اس کی بیوی بدمزاج تھی۔ اس بدمزاجی کو کون ٹھیک کرے۔؟ کچھ خوبیاں اور خامیاں خاندانی ہوتی اور کبھی لوگ حالات اور واقعات سے متاثر ہونا نہیں چاہتے۔ بس ایک ہی ڈگر پر چلتے رہتے ہیں۔ شاید ان کے بس کی بات نہیں ہوتی کہ وہ اپنی زندگیوں کو سنواریں۔ بہتر بنالیں یا نئے طریقے سے ڈھال لیں۔ تاکہ زندگی کا کاروان بہتر طریقے سے چل سکے۔ وہ خود زندگی سے سمجھوتا نہ کرسکا تھا۔ بس اپنی پسند اور ناپسند کے مطابق زندگی کو ڈھال لیا تھا۔

وہ یہی سوچتا ہوا ہسپتال کی طرف جارہا تھا کہ سامنے سے ایک تانگا آتا ہوا دکھائی دیا ——— ہرسکھ ٹھہر گیا ——— اس کے سامنے ایک تانگہ رکا ——— اس میں سے جینا بائی تیزی اور دوڑتی ہوئی اس کے قریب آئی، اور ہانپتی ہوئی بولی —

"جلدی چلئے کملیش جی نے آپ کو بلایا ہے۔"

وہ بالکل ہکا بکا سا رہ گیا...... کملیش جی نے

اسے کیوں بلایا ہے۔ ؟ یہ سوچنے کی کس میں ہمت تھی۔ اسی نے بلایا تھا وہ خوشی کے مارے پاگل سا ہو گیا۔ آج اس کی جانِ تمنا نے بلایا تھا۔

اس وقت اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ اس نے کیا پہن رکھا ہے۔ ؟ قمیص اور نہ بند پہنے ہوئے تانگے میں بیٹھ گیا۔

" تانگہ تیزی سے چلا ! " جنیا بائی نے تانگے والے سے کہا۔

تانگے والے نے گھوڑے کو چابک رسید کی۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا تانگہ کملیش کے والد کے مکان کے سامنے رکا۔ دونوں اترے۔ کافی لوگ جمع تھے۔ اندر سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔

ہرسکھ کی نگاہ سب سے پہلے کملیش کے باپ پر گئی۔ وہ زور زور سے دہاڑیں مار رہا تھا۔ ہرسکھ نے جنیا بائی کی طرف دیکھا۔

اس نے نگاہیں نیچی کرلیں۔ اور منہ پھیر کر رونے لگی۔

" تو کملیش مر گئی ۔ ؟ "

جنیا بائی روتی رہی۔

وہاں ٹھہرنا بے سود تھا۔ جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو چکا
تھا۔ اب وہ کملیش کی ماں سے یا باپ سے کیا کہے؟ وہ کون
سے الفاظ ہیں جو کسی باپ کے دل سے بیٹی کی محبت کو مٹا سکیں؟
وہ کملیش کی ماں سے کیا کہے۔ ؟ کہ وہ کملیش کے لئے نہ روئے؟
اپنی جوان بیٹی کے لئے آنسو نہ بہائے۔ ؟

ہرسکھ واپس لوٹا۔ جنیا بائی اس کے ساتھ تھی۔
جب دونوں گھر پہنچے تو ہرسکھ نے جنیا بائی سے کہا۔
"کملیش کی موت کیسے ہوئی۔ ؟"
"چار دن پہلے مرا ہوا بچہ پیدا ہوا تھا۔ بچے کی
پیدائیش کے بعد سارے جسم میں زہر سرایت کر گیا۔ اور جب
سانس اکھڑنے لگی تو ماں نے پوچھا۔
"تمہاری آخری خواہش کیا ہے۔ ؟"
"میں ہرسکھ سے ملنا چاہتی ہوں ماں۔"
"اور اسی لئے میں آپ کو بلانے آئی تھی۔"
"تو پھر چلی جاؤ یہاں سے! میرا منہ کیا دیکھ رہی
ہو۔ ؟"
"ایک بات اور کہنا چاہتی ہوں۔ ؟"

وہ کچھ نہیں بولا۔

"میں بھی کملبش جی کی گلی میں رہتی ہوں۔ کملبش جی ہر روز ملتی تھیں اور آپ کے بارے میں پوچھتی تھیں۔"

'ہاں شادی کے بعد بھی، کملبش جی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ کی دیکھ بھال کرتی رہوں۔ آپکی خدمت کروں۔ آپ کے کپڑے دھوؤں۔ آپ کو کھانا پکا کر دوں۔ کبھی کبھی جب آپ کھانے کی تعریف کرتے تھے تو وہ کھانا کملبش جی پکا کر بھیجتی تھیں۔"

"تم نے مجھ سے کہا کیوں نہیں۔ ؟"

"کملبش جی نے منع کر دیا تھا .... انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

"اور ؟"

قمیض کا کپڑا میرا خریدا ہوا نہ تھا۔ کملبش جی نے خرید کر دیا تھا کہتی تھیں —— وہ بڑے لاپرواہ ہیں۔ بازار سے کپڑے خرید کر نہیں لاتے۔ یہ قمیض انہیں سلوا دینا۔"

"اور تو کچھ نہیں کہا۔ ؟"

"جی نہیں۔"

"اچھی طرح یاد کر لو۔ !"

اس نے اپنی اکھڑی ہوئی سانس کو سینے میں روکتے ہوئے کہا۔ کہنے سے پہلے اسے یوں محسوس ہوا جیسے وفورِ جذبات سے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ دماغ کی نسیں دہری ہو جائیں گی۔ اور رگوں سے خون لاوے کی طرح بہہ نکلے گا۔

"کملیش جی نے کہا تھا۔"

وہ پھر بولی۔

"کیا کہا تھا۔ ؟"

"ان سے کہنا اگر میں مر جاؤں۔ تو کم سے کم وہ زندہ رہیں۔"

یہ کہہ کر جنیا باہر نکل گئی۔

اس حیرت انگیز انکشاف نے اسے کہیں کا نہ رکھا کملیش کی اچانک موت نے اس کے سوچنے اور سمجھنے کی قوتوں کو سلب کر دیا۔ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا ؟ اور کیوں ہوا ؟ واقعی کملیش اسے چاہتی تھی ———— شادی کے بعد بھی اس سے پیار کرتی رہی ...... ؟ یہ عجیب و غریب قسم کی محبت تھی۔ وہ کیا کرے ؟ کہاں جائے ؟ اپنے غم کا اظہار کس

سے کرے ؟ شاید وہ اس صدمے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

جیسے وہ زندگی بھر پیار کرتا رہا۔ وہ اسے یہ کہہ کر چلی گئی۔ کہ میں تم سے محبت کرتی رہی ہوں۔ جب تک زندہ رہی۔ اس نے یہ الفاظ کبھی نہ کہے۔ عملی طور پر وہ اسے چاہتی تھی۔ اس وقت ہرسکھ نے محسوس کیا کہ وہ زندہ رہ کر کیا کرے گا۔ ؟ کملیش کے بغیر ساری دنیا اجاڑ اور سنسان تھی ـــــ

اس نے زور سے دروازہ بند کر لیا۔

وہ زندہ رہنا نہیں چاہتا تھا۔ جسے وہ دل و جان سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ وہ شے اس سے چھن گئی تھی۔ غم اتنا بوجھل ہو گیا تھا کہ اس کا سہنا ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ اب وہ زندہ رہ کر کیا کرے گا۔ ؟

اس کی نگاہ شیونگ بکس پر گئی۔ اسے کھول کر اس نے ایک بلیڈ نکالا۔ پھر اس نے بلیڈ کی طرف دیکھا۔ کافی تیز بلیڈ تھا ـــــ شہ رگ کو آسانی سے کاٹ سکتا تھا۔

آہستہ آہستہ وہ بلیڈ کو گلے کے قریب لایا۔ پھڑکتی ہوئی رگ کو اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے محسوس کیا۔۔۔

......زندگی کی شہ رگ .... خوشی اور غم کا منبع

اعظم ——— بس ایک ہی وار .... اور پھر

ہر سکھ زندگی کے ہر دکھ سے بے نیاز ہو جائے گا۔

وہ بلیڈ سے شہ رگ کو کاٹنا چاہتا تھا کہ باہر کسی

نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"ویدجی !" .... "ویدجی !" ....

ویدجی !!!"

اس کا ہاتھ اپنی جگہ پر رک گیا۔

کسی نے پھر زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"ویدجی ! .... ویدجی !! .... دروازہ

کھولیئے .... دروازہ کھولیئے !! جلدی !!!"

یہ جنیا بائی کی آواز تھی۔

اس نے پھر بلیڈ کی طرف دیکھا۔

"ویدجی ! .... ویدجی !! .... وارڈ

نمبر ۳ میں ایک مریض کی حالت بہت خراب ہے ....

دروازہ کھولیئے !!"

اس نے بلیڈ کو تپائی پر رکھ دیا۔

دروازہ کھولا۔

سامنے جنیا بائی کھڑی تھی۔ اور اس کے ساتھ ایک اور نرس تھی۔

جلدی چلیئے وارڈ نمبر ۳ —— بچے کی حالت سخت خراب ہے۔

وہ ایک لمحہ خاموش رہا۔

"چلئے نا جلدی۔!"

پھر آہستہ آہستہ جنیا بائی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور وارڈ نمبر ۳ کی طرف بڑھنے لگا۔ جب وہ برآمدے میں سے گذر رہا تھا، تو نہ جانے اس کے کانوں میں ایک ہی آواز بار بار آ رہی تھی۔

"اگر میں مر جاؤں تو کم سے کم وہ تو زندہ رہیں ——
اگر میں مر جاؤں تو کم سے کم وہ تو زندہ رہیں......"

یہ آوازیں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

حتیٰ کہ بچے کی چارپائی کے قریب پہنچ گیا۔

اس نے بچے کی طرف دیکھا۔

جو موت سے لڑ رہا تھا۔

اور اس کی آنکھوں میں زندہ رہنے کی آرزو تھی۔
ہرسکھ نے بچے کی نبض دیکھ کر محسوس کیا کہ اس بچے
کی زندگی کو بچایا جا سکتا ہے۔
اپنی زندگی کو تباہ کرنے سے یہ بہتر بات ہے۔
کہ انسانوں کی سیوا اور خدمت کی جائے۔
اور شاید یہی تمنّا کملیش کی تھی۔

~ .. ~

خوشنویس:۔ اعجاز نبی ۳۴۳ ۶۹ - احاطہ کیدارہ باڑہ ہندو راؤ دہلی ۶